DEC.

ماہنامہ تجلّی دیوبند



خلافت و ملوکیت نمبر 3

Rs.1/50

سالانہ پندرہ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین دسمبر ۱۹۷۱ء

خلافت و ملوکیت نمبر حصہ سوم

ایڈیٹر:- عامر عثمانی

امریکہ - نائجیریا - کینیڈا - انگلینڈ - فرانس - برمنگھم - انڈونیشیا اور ملیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک ۲ پونڈ - بذریعہ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ - بحرین افریقہ سعودی عرب - قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ اور دس شلنگ ـــ بذریعہ ہوائی ڈاک تین پونڈ -

ھندوستان سے پندرہ روپے -

۲۳ ویں سال کا گیارھواں شمارہ

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی خریداری ختم ہے - یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں - آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں - خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا - (وی پی ساڑھے سولہ روپے کا ہوگا) - منی آرڈر بھیجکر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے -

سالانہ:- پندرہ روپے

ماہنامہ تجلی دیوبند دسمبر ۱۹۷۱ء

عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے اسلامی پریس دیوبند سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا -

اس پرچے کی قیمت ایک روپیہ ۵۰ پیسے 1/50

آغازِ سخن

اب تک جو خطوط ملک اور بیرونِ ملک سے آئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ الحمدللہ ہمارے "جائزے" نے قلوب و اذہان پر بڑا گہرا اور وسیع اثر ڈالا ہے۔ اگر اپنی مدح و تحسین کے خطوط شائع کرنا ہماری عادت ہوتی تو یقیناً اب تک کی ڈاک تجلّی کے بیسیوں صفحات پُر کر دیتی۔

ویسے معدودے چند خطوط دوسری نوع کے بھی آئے ہیں۔ دوسری نوع سے مراد ہے تنقیص و تردید۔ انہیں ہماری کسی علمی غلطی کی تو نشاندہی کی نہیں گئی البتہ صلواتیں خوب سُنائی گئی ہیں۔ صلواتیں بھی بے مزا نہیں ہوتیں بشرطیکہ ان میں سلیقہ، ذہانت اور ہنر ہو لیکن افسوس کہ ایسا کوئی مکتوب ہمیں نہیں ملا ورنہ اسے ضرور شائع کرتے۔ ہماری مادرِ علمی دارالعلوم سے دو طلبائے عزیز کے دو عنایت نامے ایسے آئے جو خفگی اور مخاصمت سے لبریز تھے لیکن صدمہ ہوتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ الفاظ و معانی دونوں اعتبار سے یہ اتنے پست تھے کہ ان کی اشاعت کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔

البتہ ایک گرامی نامہ "امارت و صحابیت" کے فاضل مصنف مولانا علی احمد بنارسی کا ایسا ضرور نظر آیا ہے کہ اس کے بعض مطالب پر گفتگو کی جائے۔ پچھلے شمارے میں ہم نے اعلان کیا تھا کہ "امارت و صحابیت" نامی کتاب پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ اسی اعلان کو پڑھ کر مولانا موصوف نے ہمیں خط لکھا ہے۔ خط چونکہ جوابی تھا اس لئے مختصر جواب ڈاک سے بھی دیا گیا لیکن اُس ایک اعتراض کی بنا پر جو اس خط میں مولانا مودودی پر کیا گیا ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ یہاں اس پر مفصّل بحث کریں۔

مولانا نے ارشاد فرمایا ہے:-

"مولانا مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" جب شائع ہوئی تو میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی لیکن جب شیعہ حضرات نے اسی کتاب کو دکھا دکھا کر حضرت عثمانؓ و امیر معاویہؓ پر لعن طعن کا سلسلہ شروع کیا اور آپ جیسے اہلِ قلم زمانۂ حال کے ملٹن و شکسپیر حضرات کو بھی مولانا مودودی کا غالی عقیدت مند پایا گیا تو دشمنانِ

صحابہؓ کی تبرّا بازیوں کو برداشت نہ کر کے ناچار مجھے قلم اٹھانا ہی پڑا۔"

ہم جواب عرض کریں گے کہ یہ ایک بہت ہی سطحی بات ہے جو آنجناب کے قلم سے نکلی ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ اگر کوئی غیر مسلم سورۂ نور کے حوالے سے یہ طعن کرنے لگے کہ لیجئے صاحب آپ اپنے رسولؐ کے جن صحابیوں کو آسمان پر چڑھاتے ہیں ان میں تو ایسے ایسے بھی پائے گئے ہیں جنھوں نے اپنے پیغمبرؐ کی بیوی اور تمام امتِ مسلمہ کی ماں عائشہ صدیقہؓ کے خلاف تہمتِ زنا میں شرکت کی۔ یہاں تک کہ انھیں اس کی سزا بھی دی گئی تو کیا اس طعن کا جواب آپ یہ کہہ کر دیں گے کہ سورۂ نور کی یہ آیات قابلِ اعتبار نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ پر لگائی گئی تہمت میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوا۔ کسی صحابی یا صحابیہ پر حدِ قذف جاری نہیں کی گئی۔

یا اگر یہ طعن کرے کہ لیجئے صاحب آپ تو اپنے پیغمبروں کے گن گاتے ہیں لیکن حال یہ ہے کہ آپ کے حضرت موسیٰؑ نے غصّے میں آکر وہ تختیاں ہی زمین پر دے پٹخیں جن میں کلامِ الٰہی درج تھا اور اپنے بھائی ہارون کی داڑھی کھینچ ڈالی تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ کی یہ آیات ناقابلِ اعتبار ہیں۔ پیغمبر ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

یا اگر یہ طعن کرے کہ لیجئے صاحب آپ کے پیغمبر حضرت یونسؑ نے منشائے الٰہی کے خلاف کیسی بے صبری کا ثبوت دیا جس پر انھیں آپ کے خدا نے قابلِ ملامت ٹھیرایا اور سزا کے طور پر مچھلی کے پیٹ میں بند کر دیا تو کیا آپ یہ کہہ کر طعن کرنے والے کی تشفی کریں گے کہ سورۂ یونس اور سورۂ صافات کی یہ آیتیں کمزور راویوں سے مروی ہیں۔ ان کا کوئی اعتبار نہیں کھلی بات ہے کہ کسی معترض کی تشفی کے لئے حقائقِ ثابتہ کا انکار یا مسخ معقول طریقہ نہیں ہے بلکہ معقول طریقہ یہ ہے کہ ان کی مناسب تاویل کی جائے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تحفۂ اثنا عشریہ جیسی ضخیم کتابیں شیعوں اور رافضیوں کی تردید میں لکھیں مگر انھوں نے آپ جیسا یا مولانا محمد میاں اور مولانا اسحٰق

سندیلوی ہی جیسا غیر دانشمندانہ اور غیر حق پرستانہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ ثابت شدہ سچائیوں کو جھٹلائیں یا ان کا حلیہ بگاڑیں بلکہ دونوں ہی نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ صحابہؓ معصوم نہیں تھے۔ ان سے گناہ ہوئے ہیں۔ ان کی ہر خطا اور ہر گناہ کا ہمیں انکار نہیں۔ البتہ جو غلط باتیں تم ان کی طرف منسوب کرتے ہو انھیں ہم نہیں مانتے۔

اگر آنکھ کھول کر "خلافت و ملوکیت" پڑھی جائے تو اس میں حضرت عثمانؓ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ ثابت نہیں کیا گیا کہ ان سے فکر و اجتہاد کی غلطی ہوئی۔ اگر اس نوع کی غلطیوں پر بھی کوئی شیعہ یا رافضی طعنہ زن ہے تو شوق ہوا کرے۔ اہلِ حق کی شان یہ نہیں ہے کہ طعنوں سے ڈر کر حقائق کی تکذیب کریں اور ان صحابہؓ کو جو فرشتے نہیں تھے فرشتہ باور کرانے پر تل جائیں۔

پھر حیرت یہ ہے کہ شیعہ حضرات تو ابوبکرؓ و عمرؓ تک کو غاصبِ خلافت اور بددین وغیرہ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں بھلا ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کی صفائی پیش کرنے سے کیا ہوگا۔ یہ ایک فضول کام ہے جس کی خاطر سچائیوں کو جھٹلانا اور واقعاتِ ثابتہ کی الٹی سیدھی تاویلیں کرنا وقت اور انرجی کی بربادی ہے۔ آنجناب نے اپنی کتاب میں اپنی استعداد اور ذہنی سطح کے مطابق جو کوشش حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کے دفاع میں کی ہے وہ فی الحقیقت بچکانے پن سے آگے نہیں بڑھی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی ایک بھی شیعہ آپ کی سعیِ نامشکور کے نتیجے میں اپنے کسی خیال و عقیدے پر نظرِ ثانی کر سکے گا۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اپنی کتاب میں جس سطح پر آپ نے گفتگو کی ہے وہ اس سطح سے بہت نیچی ہے جس کا تقاضا علم و تحقیق کرتے ہیں۔

دشمنانِ صحابہؓ کے خلاف اور صحابہؓ کی حمایت میں آپ بے شک ہزار صفحے کی کتاب لکھئے مگر یہ نہ بھولئے کہ سب سے مقدس چیز ہے حق۔ سچائی۔ دیانت۔ صحابہؓ تو کیا چیز ہیں اگر کسی پیغمبر کی بھی کسی لغزش یا خطا کا علم مضبوط ذرائع سے ہو گیا ہے تو اس کا انکار اہلِ حق کا کام نہیں۔ کیا آپ نہیں

دیکھتے کہ حضورؐ نر اور مادہ کھجور کے پیوند کو ایک کارِ عبث سمجھکر صحابہؓ کو اس سے روک دیتے ہیں۔ پھر فصل اچھی نہیں آتی تو آپ اس ممانعت کو ختم کر کے فرماتے ہیں کہ اپنے دنیاوی معاملات میں تم ہی خود بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں تو ایک بشر ہوں۔ جب دین کے معاملے میں تمھیں کوئی حکم دوں تو بے شک اسے لے لو۔

آپ بتائیے۔ تابیر نخلہ کے اس قصّے کی صحت سے کیا کسی بھی محدّث اور فقیہ نے اس لئے انکار کیا کہ اس سے تو خدا کے سب سے بڑے پیغمبرؐ کی ایک قیاسی و اجتہادی خطا کا اثبات ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی متعدد خطاؤں اور فکر و اجتہاد کی لغزشوں کے قصّے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں محفوظ کر دیئے ہیں۔ کیا معترضین کے طعن و اعتراض کا صحیح جواب ان قصوں کو جھٹلا دینے سے ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں احترامِ انبیاء یا احترامِ صحابہؓ اس کا نام نہیں ہے کہ ہم واقعاتِ ثابتہ کی تکذیب یا تحریف کریں بلکہ اس کا نام ہے کہ ان کی صحیح توجیہہ و تاویل سامنے لائیں جیساکہ تمام علمائے سلف کرتے رہے ہیں۔ آپ حضرات (یعنی کیا آپ کیا میاں صاحب کیا مولانا اسحاق سندیلوی) یہ المناک طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں کہ معلوم حقائق کو جھٹلاتے ہیں اور جھٹلانا چونکہ ثقہ اور مشہور مؤرخینِ اسلام کو پایۂ ثقاہت سے گرائے بغیر ممکن نہیں اس لئے ان سب کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مہم چلاتے ہیں۔ طبری اور ابن سعد اور ابن عبد البر اور ابن اثیر جیسے اساطین کو ساقط الاعتبار گرداننے کے لئے آپ حضرات نے جس طرح کی کج بحثیاں کی ہیں وہ علم و منطق کی تاریخ کا بڑا دردناک باب ہیں۔ آپ نے منکرینِ حدیث کے لئے بڑی آسانیاں مہیا کر دی ہیں کیونکہ جس ٹائپ کے دلائل سے آپ مذکورہ مؤرخین اور ان کی روایات کو رد کرتے ہیں اسی ٹائپ کے دلائل بلاشبہ بخاری و مسلم کی روایات کا بھی حلیہ بگاڑ سکتے ہیں۔

آپ نے مولانا مودودی پر بددیانتی کا جو الزام لگایا ہے اس کا بھی جواب سنیئے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"یہی حال آپ کے علامہ مودودی کا ہے۔ مثلاً انھوں نے البدایہ والنہایہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لئے الگ کر لیا جائے، حالانکہ ابن کثیر کے الفاظ ہیں کہ سونا چاندی کو بیت المال کے لئے الگ کر لیا جائے۔ علامہ صاحب نے یجمع کلہ من ھذہ الغنیمۃ لبیت المال کے بجائے لکھدیا کہ ان کے لئے الگ کر لیا جائے۔"

پہلی شکایت تو آپ سے یہ ہے کہ ایک اتنے بڑے آدمی پر بددیانتی کا الزام عائد کرتے ہوئے آپ نے علمی وقار اور سنجیدگی کو بالائے طاق رکھدیا۔ یہ "آپ کے علامہ مودودی" کیا طرزِ گفتار ہے۔ طنز و طعن کا ایک محل ہوا کرتا ہے۔ یہاں آپ دنیائے اسلام کے ایک شہرۂ آفاق عالم، داعی اور مفکر پر خیانت جیسا شدید الزام عائد کر رہے ہیں مگر بسم اللہ کرتے ہیں گھٹیا قسم کے طعن سے۔ مولانا مودودی ہمارے رشتہ دار نہیں پیر نہیں استاد نہیں۔ حتیٰ کہ ہم تو جماعتِ اسلامی کے بھی رکن نہیں۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ دلائل و شواہد کے اسلحہ سے ان کا دفاع کرتے ہیں۔ کیا اسی قصور کی سزا آپ یہ طنز کر کے دے رہے ہیں کہ "آپ کے علامہ مودودی!"

دوسری شکایت یہ ہے کہ "مثلاً" کا لفظ آپ نے غلط جگہ استعمال کیا۔ "خلافت و ملوکیت" میں مولانا مودودی نے سات سو سے زیادہ حوالے دیئے ہیں۔ اگر ان میں پانچ سات جگہ بھی آپ کو خیانت کا ثبوت مل گیا ہوتا تو بے شک ان میں سے ایک دو مقامات کی نشاندہی "مثلاً" کہہ کر کی جا سکتی تھی۔ لیکن فی الحال آپ صرف ایک "خیانت" تلاش کر سکے ہیں (حالانکہ یہ بھی محض مغالطہ ہے جس کا تجزیہ ابھی ہم کرنے والے ہیں)، پھر کیا جواز ہے "مثلاً" کہنے کا۔

تیسری شکایت یہ ہے کہ آپ نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ مولانا مودودی نے کس صفحہ پر معترض فیہ بات لکھی ہے، حالانکہ

احساسِ ذمہ داری کا تقاضا یہ تھا کہ "خلافت و ملوکیت" کا صفحہ تحریر فرماتے۔

ازراہِ اخلاص ان شکایات کو پیش کرنے کے بعد اب ہم اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ جو خیانت آپ نے مولانا مودودی سے منسوب کی اس کا تعلق خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۱۷۴ سے ہے۔ یہاں مولانا مودودی نے اپنی بات کے لئے پانچ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ طبقات۔ طبری۔ الاستیعاب۔ ابن اثیر اور البدایہ۔ آپ کی جرأت قابلِ داد ہے کہ چار کو آپ نے قطعاً نظر انداز کر دیا اور صرف پانچویں کا ذکر اس طرح کیا جیسے صرف اسی ایک کا حوالہ دیا گیا ہو۔ آپ کی عبارت ہم نے ابھی نقل کی ہے۔ اسے آپ بھی پڑھئے۔ اور جملہ قارئین بھی پڑھیں۔ کیا یہ صریح طور پر ایسی ہی نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا مودودی نے کوئی بات البدایہ کے حوالے سے لکھی تھی اور یہی حوالہ درست نہیں ہے۔ کیسے تصور آسکتا ہے کہ وہاں چار اور حوالے بھی موجود ہوں گے۔

فرمائیے کیا یہی طریقہ ہے اہل علم کا؟

اب جہاں تک آپ کے اعتراض کا تعلق ہے تو وہ بھی غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو آپ مطالعہ میں پوری سنجیدگی اختیار کرتے ہیں نہ اعتراض کرتے ہیں۔ سنجیدگی اختیار کرتے تو حضرت معاویہؓ کا وہی حکم جس کا مولانا مودودی نے ذکر کیا ہے البدایہ میں بھی آپ کو صاف نظر آجاتا اور بطور اعتراض وہ فقرہ آپ نقل نہ کرتے جو حضرت معاویہؓ کا حکم نہیں بلکہ کسی اور کی طرف سے اس کی من مانی تشریح ہے۔

ہم اپنے قارئین کو صورتِ حال سمجھانے کی غرض سے قدرے تفصیل میں جائیں گے۔

صورت یہ ہے کہ امیر معاویہؓ کے گورنر زیاد کے ایک سوتیلے بھائی حکم بن عمرو نامی ہیں جو صحابی تھے۔ انھیں خراسان کا حاکم بنایا گیا جب کہ انھیں جاہ و مال کی کوئی آرزو نہیں تھی۔ انھوں نے کفار سے جہاد کیا اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ اب گورنر زیاد کا ایک خط ان کے پاس پہنچتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے لکھا ہے کہ مالِ غنیمت میں سے سونا چاندی ان کے لئے الگ کر لیا جائے۔

یہ حکم چونکہ قانونِ قرآنی کے خلاف تھا اس لئے خدا ترس حکم بن عمرو نے زیاد کو لکھ بھیجا کہ آپ نے جو معاویہؓ کے حکم کا ذکر کیا ہے تو سن لیجئے کہ اللہ کی کتاب معاویہ کی تحریر سے مقدم ہے۔ خدا کی قسم! اگر زمین و آسمان سب کسی کے دشمن بن جائیں اور وہ آدمی اللہ سے ڈرنے والا ہو تو اللہ اس کے لئے کوئی نہ کوئی راہِ عافیت نکال ہی دیتا ہے۔

یہ خط روانہ کر کے انھوں نے مجاہدین سے کہا کہ تم لوگ مالِ غنیمت کو ہدایتِ قرآنی کے مطابق تقسیم کر لو۔ چنانچہ پانچواں حصہ بیت المال کے لئے الگ کر کے باقی مال مجاہدوں میں بٹ گیا۔

یہ قصہ طبقات ابن سعد، طبری، الاستیعاب، الکامل اور البدایہ سب میں موجود ہے۔ اگر مزید دیکھنا ہو تو حاکم کی المستدرک میں یہ بھی تصریح مل جائے گی کہ جب حکم نے ایسا کیا تو امیر معاویہؓ ان سے خفا ہو گئے۔ اپنا ایک آدمی بھیجکر انھیں قیدی بنایا اور اسی حال میں وہ مر گئے (المستدرک جلد ۳، صفحہ ۴۴۲) مستزاد یہ کہ امام الجرح والتعدیل حافظ ذہبی نے یہی پورا قصہ المستدرک کی تلخیص میں درج کیا ہے۔

اب اس اعتراض کی نوعیت ملاحظہ فرمائیے جو مولانا بنارسی نے البدایہ کا ایک فقرہ نقل کرتے ہوئے "بددیانتی" کے عنوان سے کیا ہے۔

طبقات ابن سعد، طبری، الاستیعاب اور الکامل چاروں میں ابن زیاد کے الفاظ یہ ہیں کہ امیر المومنین معاویہ نے تحریری حکم بھیجا ہے کہ غنیمت میں سے سونا چاندی ان کے لئے الگ کر لیا جائے (اصطفیٰ لہ الصفراء والبیضاء (طبقات جلد ۷ ص ۲۸ و ۲۹) طبری جلد ۴ ص ۱۸۷۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۱۱۸۔ الکامل ج ۳ ص ۲۳۳) اور بیت المال کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ رہی البدایہ والنہایہ تو بلا کسی ابہام کے

اس میں بھی امیر معاویہؓ کا یہی حکم جوں کا توں موجود ہے۔ لیکن فرق اتنا ہے کہ اس حکم کے ذیل میں "یعنی" کہہ کر ایک تشریح کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو پوری عبارت یوں ہے۔

فکتب الیہ زیادؓ ان امیر المومنین قد جاء کتابہ ان یصطفی لہ کل صفراء وبیضاء۔ یعنی الذھب والفضۃ۔ یجمع کلہ من ھذہ الغنیمۃ لبیت المال (جلد ۸ صہ ۲۹)	زیاد نے حکم بن عمرو کو لکھا کہ امیر المومنین کا خط آیا ہے کہ ان کے لئے صفراء اور بیضاء الگ کر دیا جائے یعنی سونا اور چاندی۔ یہ سب مال غنیمت میں سے بیت المال کیلئے جمع کیا جائے گا۔

محترم بنارسی مولانا! بتائیے کیا یہ عبارت حرف بحرف البدایہ والنہایہ میں موجود نہیں ہے۔ ہے اور یقیناً ہے۔ تو کیا اس میں امیر معاویہؓ کا وہ آرڈر جس پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے ٹھیک وہی نہیں ہے جس کا حوالہ مولانا مودودی نے دیا ہے اور جو باقی چاروں کتابوں میں موجود ہے؟ —

— آنجناب نے ذرا سا جو فقرہ اٹھا کر پیش فرما دیا ہے کہ لو بھئی مودودی نے اس کا ترجمہ غلط کر دیا کیا آپ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ فقرہ حضرت معاویہؓ کے آرڈر کا نہیں ہے بلکہ وہ تو اس تشریح کا ہے جو "یعنی" کے ذیل میں کی گئی ہے ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ کسی قول یا فقرے کے بعد "یعنی" کہہ کر جو بات لکھی جاتی ہے وہ اصل قول یا فقرے کا جزو نہیں ہوا کرتی بلکہ شرح ہوتی ہے شارح کی طرف سے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ "یعنی" کے ذیل میں جو شرح کی گئی ہے وہ بھی معاویہؓ ہی کی طرف سے ہے تو یہ بے دلیل اور خلافِ قیاس دعویٰ دو وجوہ سے رد ہو جاتا ہے۔ ایک یوں کہ اگر یہ شرح خود معاویہؓ کی طرف سے ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ائمۂ تاریخ اسے نقل نہ کرتے جن کا زمانہ البدایہ کے مصنف ابن کثیر کے مقابلے میں امیر معاویہؓ سے زیادہ قریب ہے۔ ابن سعد ۲۳۰ھ میں مرے ہیں۔ طبری ۳۱۰ھ میں ابن عبدا ۴۶۳ھ میں اور ابن اثیر ۶۳۰ھ میں جبکہ ابن کثیر بعد میں آئے اور ۷۷۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ تاریخ دماغ سے تو نہیں گھڑی جاتی۔ اگر پچھلوں نے زیر بحث روایت میں بیت المال والی تشریح روایت نہیں کی تو کم و بیش سات سو سال بعد ابن کثیر کے پاس یہ روایت کہاں سے آگئی۔ صاف ظاہر ہے کہ تشریحی فقرے یا توضیح کے کسی راوی نے ازراہِ عقیدت بڑھا دیئے ہیں اور ابن کثیر نے انھیں جوں کا توں نقل کر دیا یا پھر خود ابن کثیر نے بطور عقیدت اس تشریح کا اضافہ کر دیا ہے۔ بہر حال اضافہ جس نے بھی کیا ہو وہ اس کا فعل ہے نہ کہ معاویہؓ کا حکم۔

دوسرے یوں کہ شاہی خطوط غیر ضروری الفاظ سے عموماً خالی ہوتے ہیں۔ اگر یہ تشریحی فقرے معاویہؓ ہی لکھواتے تو آخر کیوں لکھواتے۔ انھیں تو قدرتاً یوں لکھنا چاہیئے تھا کہ اصطفی لبیت المال کلّ ذھبٍ وفضّۃٍ (بیت المال کے لئے سب سونا چاندی الگ کر دو)۔ بھلا یہ کیا تک تھا کہ پہلے تو وہ یہ فقرہ لکھتے کہ — "ہمارے لئے صفراء و بیضاء الگ کر لئے جائیں" پھر اس کی شرح کرتے کہ صفراء کہتے ہیں سونے کو اور بیضاء کہتے ہیں چاندی کو اور یہ سب بیت المال میں جمع کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے لغویت کہینگے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ تشریح خود حضرت معاویہؓ کی تو نہیں مگر ان کے گورنر زیاد کی ہے تو یہ بھی صریحاً معقولیت سے بعید ہے۔ اوّل تو یوں کہ چھ سو برس تک مؤرخین نے زیاد کے جس خط کو نقل کیا ہے اس میں اس تشریح کا وجود نہیں۔ اگر یہ واقعی زیاد کی ہوتی تو اسے خط میں موجود ہونا تھا اور موجود ہوتی تو ثقہ مؤرخین و محدث ایسا کیسے کر سکتے تھے کہ اسے حذف کر جائیں۔ ان کی روایات میں اس کا نہ پایا جانا قطعی دلیل ہے اس بات کی کہ "یعنی" والا اضافہ بعد کے کسی صاحب کا ہے۔ یا پھر ابن کثیر کا ذاتی خیال ہے

دوسرے یوں کہ زیاد حکم معاویہ کی شرح کرتا تو وہ صفراء اور بیضاء جیسے صاف الفاظ کے بعد ذھب اور فضّہ کا غیر ضروری اضافہ نہ کرتا۔ خط اہلِ زبان کی طرف بھیجا گیا تھا نہ کہ اناڑیوں کی طرف۔ سب جانتے تھے کہ صفراء اور بیضاء کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے

وہ پہلے یوں کیوں لکھتا کہ " امیر المومنین نے سونے چاندی کو اپنے لئے الگ کر دینے کا حکم دیا ہے -" ایسا لکھنے کے بعد "یعنی" سے تشریح کرنے کا حاصل تو کھلا ہوا یہ تھا کہ حکم میں کمزوری آجائے - مکتوب الیہ یہ سمجھے کہ اصل حکم کچھ اور ہے اور تشریح گورنر صاحب اپنی طرف سے کچھ اور کر رہے ہیں - اگر واقعۃً معاویہؓ کا حکم یہی ہوتا کہ سونا چاندی بیت المال کے لئے الگ کر لیا جائے تو زیاد قدرتاً اسی سیدھے سادھے جملے پر اکتفا کرتا - اس کا کوئی منطقی جواز نہیں کہ پہلے تو لَہٗ (معاویہ کے لئے) لکھے اور پھر لبیتِ المال سے اس کی شرح کرے -

اس تجزیہ و تحلیل کے بعد آپ ہمیں بتائیں کہ خیانت مولانا مودودی نے کی ہے یا آپ اپنی نافہمی اور شوقِ تردید کا نام خیانت رکھ رہے ہیں - ایک بار پھر البدایہ پر نظر ڈال لیجئے - کیا اس میں زیاد نے یہی نہیں کہا ہے کہ قد جاء کتابہ ان یصطفی لہ کل صفراء و بیضاء (امیر المومنین کا خط آیا ہے کہ سب سونا چاندی ان کے لئے چھانٹ لیا جائے) اگر کہا ہے اور یقیناً کہا ہے تو مولانا مودودی نے البدایہ کا حوالہ دے کر کونسی غلطی کی - کیا آپ اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے کہ "ان کے لئے الگ کر لیا جائے" اُس فقرے کا ترجمہ نہیں جو آپ نے "یعنی" کے بعد والی عبارت میں سے اٹھا کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ مودودی نے اس کا یہ ترجمہ کر دیا بلکہ وہ ترجمہ ہے مذکورہ بالا فقرے کا جس میں لبیت المال نہیں بلکہ لہٗ ہے یعنی لمعاویہؓ -

آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ خواہ مخواہ کے تعصب نے آپ کو کہاں لا کھڑا کیا ہے - یہ کونسا تاریک مقام ہے جہاں آپ کو کھلی صداقتیں نظر نہیں آتیں - جہاں آپ صاف عبارتیں نہیں دیکھ سکتے - جہاں آپ بڑی بڑی ہستیوں کو مجروح کرتے ہوئے اور ایک جلیل الشان داعی حق کو زبردستی خائن بناتے ہوئے خدا کے خوف سے نہیں لرزتے -

یا حسرتا - واویلاہ -

جب سامنے رکھی ہوئی عبارتیں بھی آپ کو صاف نظر نہیں آتیں تو ظاہر ہے کہ یہ باریکیاں آپ کیسے محسوس فرما سکتے ہیں کہ اگر مان ہی لیا جائے کہ سونا چاندی بیت المال کے لئے طلب کیا گیا تھا تب بھی حضرت معاویہؓ کا یہ حکم قانونِ شرعی سے مطابقت نہیں رکھتا - شریعت بیت المال کا حصّہ غنیمت میں خمس (۱/۵) مقرر کرتی ہے - سونے چاندی کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں کہ وہ کتنا ہے مگر حضرت معاویہؓ حکم دیتے ہیں کہ اسے بیت المال کا حصّہ قرار دو - گویا وہ قیمت کے لحاظ سے مالِ غنیمت کا نصف ہو یا تہائی یا چوتھائی مگر امیر المومنینؓ کا آرڈر اسے خزانۂ عامرہ کا حصّہ بنا دینا چاہتا ہے - ہے کوئی تاویل آپ کے پاس اس کی ؟

تماشا یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض حضرات جہاں چاہتے "اجتہادی غلطی" کا عنوان دے کر ہر خطا کو دائرۂ شریعت میں لے آنے کا کرتب دکھاتے ہیں - ایسے لوگ تو شاید یہاں بھی کہدیں کہ یہ حضرت معاویہؓ کی اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے اور مجتہد خطا بھی کرے تو ایک ثواب کا مستحق ہے - لیکن جو حضرات ٹھوس علم اور خدا کا خوف رکھتے ہیں وہ ایسی جسارت نہیں کر سکتے - وہ جانتے ہیں کہ اجتہاد کی سرحدیں کہاں سے شروع ہو کر کہاں ختم ہو جاتی ہیں - کھلی نصِ قرآنی اور احادیثِ متواترہ کے خلاف کوئی رائے یا عمل اجتہادی غلطی نہیں معصیت اور اثم ہوا کرتا ہے - معاویہؓ پیغمبر نہیں تھے کہ گناہوں سے معصوم ہوں - صحابیت کی عظمت میں کوئی بال نہیں آتا اگر کسی صحابی کا مرتکب گناہ ہونا ثابت ہو جائے -

---

خیانت اور بد دیانتی کسے کہتے ہیں اس کے متعدد نظائر "شواہد تقدس" کے جائزے میں دیکھئے اور بن پڑے تو ان کے کوئی تاویل نکال لئے - پھر اسی شمارے میں ہم نے آپ کی کتاب "امارت و صحابیت" سے بھی کچھ نمونے ایسے دیئے ہیں جنھیں ہم بد دیانتی پر محمول کرتے ہیں آپ اگر دلائل سے یہ ثابت کر دیں کہ انھیں فلاں وجہ سے بد دیانتی کے خانے میں نہیں رکھا جا سکتا تو ہمیں خوشی ہوگی -

آپ کا یہ بھی اصرار ہے کہ تم محض چند خیانتوں کی نشاندہی

پر بس مت کرو بلکہ پوری کتاب کا بھرپور جائزہ لو۔ آپ لکھتے ہیں :-

"کہ اگر آپ میری مذکورہ درخواست کو منظور نہ فرماکر اپنے اعلان کے مطابق محض چند باتوں کا جواب شائع فرماکر گلو خلاصی چاہتے ہوں تو کم از کم اتنی مہربانی فرمائیں کہ اپنی صفائی میں جو کچھ میں کہنا چاہوں اسے بھی دیانت داری کے ساتھ تجلی میں شائع کرنے کا وعدہ فرمائیں۔"

"گلو خلاصی" کے لفظ پر ہنسی آئی۔ آپ کو شاید یہ حسن ظن ہے کہ آپ کی کتاب نے "خلافت و ملوکیت" کی تقاہت و عظمت کو داغدار بنادیا ہے لہذا عامر عثمانی آپ کی کتاب کو عقیدت مودودی کے باعث اپنے "گلے کا طوق" سمجھتا ہے۔ اسی لئے آپ کا گمان یہ ہے کہ وہ آپ کی کتاب پر کچھ لکھنا ضروری خیال کر رہا ہے۔

خدا معاف کرے۔ آپ نے اپنے مقام کو سمجھنے میں بڑے حسن ظن سے کام لیا۔ حالانکہ "خلافت و ملوکیت" علم و استدلال کی جس سطح پر لکھی گئی ہے وہ سطح آنجناب کے طریق بحث اور علم و خبر کی سطح سے بہت بلند ہے۔ اتنی بلند کہ یہاں سے اڑائی ہوئی گرد کے چند ذرّے بھی شاید وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے۔ ہم نے اگر آپ کی کتاب پر کچھ لکھنا ضروری سمجھا تو صرف اس لئے کہ عامۃ الناس کو "علمی دیانت" کے کچھ نمونے دکھلادیں تاکہ وہ چوکنے ہوجائیں ورنہ جہاں تک پڑھے لکھے حلقے کا تعلق ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ "امارت و صحابیت" کے اندازِ بحث کی ناپختگی اور کم عیاری وہ خود ہی محسوس نہ فرمالیں گے۔

بہرحال جہاں تک آپ کو صفائی کا موقع دینے کا تعلق ہے بخوشی آپ اپنی بات کہہ سکتے ہیں۔ تجلی کے صفحات حاضر ہیں۔ نہ صرف "امارت و صحابیت" پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دینے کی آپ کو اجازت ہے بلکہ آپ چاہیں یا اور جو صاحب چاہیں "شواہد تقدس" کے جائزے پر بھی نقد و نظر فرما سکتے ہیں۔ لیکن ہرحال میں ذیل کی شرطیں ملحوظ رکھنی ہوں گی۔

(۱) ایک یہ کہ غیر متعلق باتوں سے کلام کو طول نہ دیا جائے۔ آپ ہوں یا میاں صاحب۔ دونوں نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ بحث تو چل رہی ہے کسی خاص واقعے سے متعلق مگر راگ چھیڑ دیا گیا ہے غیر متعلقہ مناقب کا۔ مثلاً اگر حضرت عثمانؓ یا حضرت معاویہؓ کے کسی فعل کی بحث چل رہی ہے تو اس کے دائرے تک محدود رہنے کے بجائے آپ حضرات باب مناقب کھول بیٹھتے ہیں۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ حضرت عثمانؓ یا حضرت معاویہؓ کے مناقب میں فلاں فلاں حدیثیں آئی ہیں اور انھوں نے فلاں فلاں کارنامے انجام دیئے ہیں لہذا فلاں گناہ ان سے کیسے سرزد ہوسکتا ہے۔ یہ طرزِ صفائی دنیا کی کسی عدالت میں مسموع نہیں ہوسکتا۔ جب امت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابی معصوم نہیں۔ ان سے گناہ ہوسکتے ہیں اور ہوئے ہیں تو کسی خاص واقعے کی بحث میں ان کے فضائل و مناقب کی داستاں سرائی کوئی علمی حیثیت نہیں رکھتی —— لہذا فضول حواشی سے پرہیز کیجئے اور نقطۂ بحث تک محدود رہئیے۔

(۲) دوسرے یہ کہ جو بات کہیں دلیل اور حوالے سے کہیں۔ اگر آپ کسی عقیدے کا تذکرہ فرماتے ہیں تو یہ بھی صراحت کیجئے کہ معلوم و مستند علمائے عقائد میں سے کس نے یہ عقیدہ کہاں بیان کیا ہے۔ اگر فن حدیث کے باب میں کچھ کہتے ہیں تو کتاب فن کا مفصل حوالہ ساتھ ہو۔ مثلاً آپ کی "امارت و صحابیت" میں متعدد جگہ ایسے فقرے نظر آئے جن کا مطلب یہ ہے کہ جس راوی یا عالم کو کسی نے "شیعہ" کہدیا ہے وہ ساقط الاعتبار ہے۔ ہم کہتے ہیں ایسا دعویٰ نہایت لغو ہے جب تک ائمۂ فن اور سلف صالحین کے حوالوں سے یہ نہ ثابت کیا جائے کہ شیعیت سے کیا مطلب ہے۔ اس کے کیا حدود ہیں۔ کس درجے کے شیعہ ساقط الاعتبار مانے گئے ہیں اور کس درجے کی شیعیت آدمی کو پایۂ اعتبار سے نہیں گراتی۔ حیرت کے ساتھ آپ کے یہاں بھی اور میاں صاحب اور مولانا اسحٰق صاحب کے یہاں بھی یہ منظر ہم دیکھ رہے ہیں کہ پہلے تو آپ حضرات قطعاً

داہی دلائل کے ساتھ کسی راوی یا عالم کو "شیعہ" قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور پھر بلا تکلف کہہ ڈالتے ہیں کہ شیعہ کی بات کا تو اعتبار ہی نہیں۔ اس غیر علمی اور غیر فنی ادعا کے ساتھ جو کچھ کہا جائے گا اسے ہم قابل اشاعت نہیں سمجھیں گے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متاخرین علماء میں ہم سب کے ممدوح ہیں۔ ان کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" اُردو میں موجود ہے۔ اس میں شیعوں کے تمام فرقے مع عقائد گنوائے گئے ہیں۔ آپ اگر کسی راوی یا عالمِ سلف کو "شیعہ" کہیں گے تو یا تو اسماء الرجال کے کسی معروف استاد کی یہ تصریح دکھانی ہوگی کہ فلاں صاحب ایسے شیعہ ہیں کہ ان کی بات قطعاً معتبر نہیں۔ یا پھر آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ایسا کوئی عقیدہ رکھتے تھے جو آدمی کو سُنّیوں کے خانے سے نکال کر شیعوں کے کسی فرقے میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ لغویت ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے کہ ابن جریر طبریؒ جیسے امام صالح کو آج کی اصطلاح میں "شیعہ" کہہ کر تالی پیٹی جائے کہ وہ ساقط الاعتبار ہو گئے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی حدیث کا حوالہ ہو تو جلد اور صفحے کے ساتھ باب بھی لکھا جائے۔ آیت کا حوالہ ہو تو اس میں بھی اجمال نہیں ہونا چاہئے۔

(۴) چوتھے یہ کہ تحریر صاف ہو، شکستہ اور گھیچ پیچ نہ ہو۔ الحمد للہ مولانا بنارسی کی تحریر تو بہت پاکیزہ اور صاف ہے۔

ان شرائط کی پابندی ہم اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ خود ہم نے بھی ان کا لحاظ رکھا ہے۔ ان کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ یا اور جس کا جی چاہے ہم پر یا مولانا مودودی پر شوق اعتراض کرکے تجلی میں چھپوا سکتا ہے۔ ہم یا تو دلائل سے ان پر نقد کریں گے یا غلطی تسلیم کرلیں گے۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

مثل مشہور ہے کہ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا لیا کرتا ہے۔ کچھ یہی حال مولانا محمد میاں صاحب کا نظر آرہا ہے۔ تقریباً چھ ماہ قبل ماہنامہ الفرقان میں اس کے مرتب

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی نے "شواہد تقدس" پر تبصرہ فرمایا ہوگا۔ اس تبصرے کو میاں صاحب نے ۲۷ نومبر کے الجمعیۃ میں نقل کرایا ہے۔ یہ تبصرہ خوب ہے۔ تبصرہ نگار اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے "خلافت و ملوکیت" نہیں دیکھی لیکن پھر بھی ان کا خیال ہے کہ مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کی طرف بعض ایسی کمزوریاں منسوب کردی ہیں جن پر حیران ہونا سراسر برحق ہے۔

ہے اس حسن خیال کا کوئی جواب!

پھر وہ فرماتے ہیں کہ شواہد تقدس سے مولانا مودودی کے دعووں اور دلائل کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اسکی رو سے میاں صاحب کا جواب نہایت دقیع اور بلند پایہ ہے۔

دقیع اور بلند پایہ کیا "لاجواب"، "بے مثال" اور اسی طرح کے ایک ہزار توصیفی الفاظ لکھ دیتے تو کون ان کا قلم پکڑ لیتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حسن ظن ہمیں مولانا عتیق صاحب کے علم و تفقہ کے بارے میں تھا اسے اس تبصرہ سے بڑا دھکا لگا ہے۔ کیا واقعی علم کی یتیمی کا اب یہ حال ہو گیا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات بھی خانۂ دماغ میں کچھ محفوظ نہیں رکھتے اور کسی کتاب کی موٹی موٹی خامیاں اور علمی بدعنوانیاں بھی ان کی نظر بالکل نہیں پکڑتی۔ ہم نے اپنے جائزے میں جن بے شمار خامیوں کی مدلل نشاندہی کی ہے ان میں متعدد خامیاں اتنی واضح اور ابھری ہوئی ہیں کہ جس شخص کا علم و مطالعہ ذرا بھی وسیع ہو وہ چاہے مولانا مودودی کا سخت مخالف ہی کیوں نہ ہو مگر ان خامیوں کا احساس کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ لیکن مولانا عتیق الرحمن کے تبصرے سے اندازہ ہوا کہ ہمیں ان کے بارے میں خوش فہمی ہی تھی۔

تبصرہ نگار یہ بھی لکھتے ہیں کہ ——"جوابی حیثیت سے قطع نظر کرکے اس لحاظ سے تو کتاب بلاشبہ بہت ہی قیمتی ہے کہ اس کے مباحث کی روشنی میں حضرت عثمانؓ مظلوم کی شخصیت اتنی ہی بے داغ نظر آنے لگتی ہے جتنا اسے نصوص کتاب و سنت کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔"

یہ اُس کتاب کی تعریف ہے جس کا ورق ورق کتاب و سنت کی ہدایات اور علم و تفقہ کی حرمت کا مذاق اُڑا رہا ہے اگر فاضل تبصرہ نگار کے "کتاب و سنت" کچھ مخصوص قسم کے ہوں تو اور بات ہے لیکن اگر اسی قرآن اور اسی دفترِ حدیث کی طرف ان کا اشارہ ہے جو امت کے ہاتھوں میں ہے تو ہمارا دعویٰ ہے کہ انھوں نے یہ بات بحالتِ ہوش و حواس نہیں کہی ہے۔ جائزے میں ہم دکھلا چکے کہ مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو علمائے سلف اور اکابر امت نے نہ کہی ہو۔ تب تو یوں کہئے کہ سارے مفسرین، محدثین، مؤرخین، فقہاء اور اساتذہ کتاب و سنت سے نابلد رہے اور کتاب و سنت کو اگر کسی نے سمجھا ہے تو صرف میاں صاحب اور ان کے تبصرہ نگار نے۔

زندہ باش! دوستو۔ اگر خوبی کی بات یہی ہے کہ کسی صحابی کی سیرت ایسی لکھی جائے جو اسے ہر خطا سے معصوم دکھلاتے ہوئے فرشتوں کی صف میں شامل کر دے تو پھر آخر تاریخی مصادر و مآخذ کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ ناول اور افسانے کی طرح جو چاہے لکھتے چلے جائیے۔ عجیب ہے یہ عقیدتِ صحابہ کہ مسلّمہ واقعات کو جھٹلاؤ تو واہ واہ سچائی کو چھپاؤ تو سبحان اللہ۔ مسخ و تحریف سے کام لو تو جزاک اللہ۔ اگر تاریخ نگاری اسی کا نام ہے تو لائیے ہم جس بزرگ کی آپ چاہیں ایسی سوانح حیات قلم برداشتہ لکھ دیں کہ ملائکہ اس سے شرما جائیں اور انبیاء اس پر رشک کریں۔

تبصرہ نگار مزید فرماتے ہیں —— "بڑے عرصہ سے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی ایک حد تک اس کتاب نے اس کو پورا کر دیا ہے۔"

یا اللہ کیا یہ وہی عتیق الرحمٰن بول رہے ہیں جن کے بارے میں ہمارا خیال تھا کہ صاحبِ علم بھی ہیں اور فہیم بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک فحش ناول بھی اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتا جتنا "شواہد تقدس" پہنچانے کی صلاحیت رکھتی ہے فحش کو عوام فحش تو جانتے ہیں۔ گناہ کا گناہ ہونا تو معلوم ہے مگر جو باطل عقائد و خیالات تقدس کا جامہ پہن کر دل و دماغ کی دنیا میں داخل ہوں ان سے توبہ اور رجوع کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ایسا خطرہ ہیں جنھیں آدمی خطرہ نہیں "سرمایۂ جاں" سمجھ بیٹھتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا نتیجہ فکر و نظر کی تباہی اور آخرت کی خرابی کے سوا کیا نکل سکتا ہے۔

تبصرہ نگار ہی جانتے ہوں گے کہ وہ کونسی "طلسماتی" ضرورت تھی جسے شواہد و تقدس نے پورا کیا ہے سوائے اس کے کہ علمائے دیوبند کے دامنِ ثقاہت میں اس نے ایک بدنما اور متعفن دھبّے کا اضافہ اور کر دیا۔

خیر سے موصوف نے اپنا تبصرہ ان لفظوں پر ختم کیا ہے۔
— "اس قلم سے اگر ایک "سیرتِ عثمان" نکل جائے تو یہ امید ہے کہ یہ ضرورت بھرپور طریقے سے پوری ہو جائے گی۔"

یعنی موصوف کو "شواہد تقدس" اتنی پسند آئی کہ میاں صاحب ہی کے قلم سے وہ ایک عدد سیرتِ عثمانؓ کے بھی متمنی ہیں۔ خدا ان کے حسنِ مذاق میں ترقی دے۔ تمناؤں پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ چاہیں تو یہ تمنا بھی کر سکتے ہیں کہ:-

مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن پانی میں

لیکن انھیں یہ سنکر مایوسی ہوگی کہ نئی کتاب لکھنا تو درکنار تجلّی کے جائزے کی ملک گیر گونج نے شاید میاں صاحب کو اس قابل بھی نہیں چھوڑا ہے کہ "شواہد تقدس" کا مجوزہ حصہ دوئم ہی پریس میں لا سکیں۔ ہمیں ان سے بھی اور تبصرہ نگار سے بھی دلی ہمدردی ہے۔

ویسے یہ تبصرہ ہمارے جائزے سے قبل کا لکھا ہوا ہے۔ تجلّی الفرقان کے تبادلے میں برابر جاتا ہے۔ مولانا عتیق صاحب اگر ہمارا جائزہ دیکھ لینے کے بعد بھی اپنی تبصرے والی رائے پر قائم ہیں تو بڑا اچھا موقع ہے کہ وہ ہمارے جائزے کی خامیاں اپنے والدِ محترم مولانا منظور نعمانی کو بتائیں اور والدِ محترم بلا تکلف ہمارے خلاف فیصلہ دیں۔ ججوں کی جیوری میں ہم نے انھیں بھی شامل کر رکھا ہے۔ لہٰذا ہم دل و جان سے ان کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔



تفہیم القرآن

القلم ــــ پارہ ۲۹

(۲)

ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی[56] ہے۔ طعنے دیتا ہے چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے[57]۔ ظلم و زیادتی میں حد سے گذر جانے والا ہے۔ سخت بداعمال ہے۔ جفاکار ہے[58] اور ان سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے[59]۔ اس بنا پر کہ وہ بہت مال و اولاد رکھتا ہے[60]۔ جب ہماری

---

۵۶ اصل میں لفظ مَہِین استعمال ہوا ہے جو حقیر و ذلیل اور گھٹیا آدمی کے لئے بولا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ بہت قسمیں کھانے والے آدمی کی لازمی صفت ہے۔ وہ بات بات پر اس لئے قسم کھاتا ہے کہ اُسے خود یہ احساس ہوتا ہے کہ لوگ اسے جھوٹا سمجھتے ہیں اور اس کی بات پر اُس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک وہ قسم نہ کھائے۔ اس پر وہ اپنی نگاہ میں خود بھی ذلیل ہوتا ہے اور معاشرے میں بھی اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

۵۷ اصل میں مَنَّاعٍ لِلْخَیْرِ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ خیر عربی زبان میں مال کو بھی کہتے ہیں اور بھلائی کو بھی۔ اگر اس کو مال کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ سخت بخیل اور کنجوس آدمی ہے کسی کو پھوٹی کوڑی دینے کا بھی روادار نہیں۔ اور اگر خیر کو نیکی اور بھلائی کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہر نیک کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے اور یہ بھی کہ وہ اسلام سے لوگوں کو روکنے میں بہت سرگرم ہے۔

۵۸ اصل میں لفظ عُتُلّ استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں ایسے شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو خوب ہٹّا کٹّا اور بہت کھانے پینے والا ہو اور اس کے ساتھ نہایت بدخلق، جھگڑالو اور سفّاک ہو۔

۵۹ اصل میں لفظ زَنِیم استعمال ہوا ہے۔ کلام عرب میں یہ لفظ اُس ولد الزنا کیلئے بولا جاتا ہے جو دراصل ایک خاندان کا فرد نہ ہو مگر اس میں شامل ہو گیا ہو۔ سعید بن جُبیر اور شعبی کہتے ہیں کہ یہ لفظ اُس شخص کیلئے بھی بولا جاتا ہے جو لوگوں میں اپنے شر کی وجہ سے معروف و مشہور ہو۔

ان آیات میں جس شخص کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں اُسکے بارے میں مفسّرین کے اقوال مختلف ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ یہ شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ کسی نے اسود بن عبد یغوث کا نام لیا ہے۔ کسی نے اَخنَس بن شُرَیق کو اس کا مصداق ٹھیرایا ہے اور بعض لوگوں نے کچھ دوسرے اشخاص کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن قرآن مجید میں نام لئے بغیر صرف اُس کے اوصاف بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں وہ اپنے ان اوصاف کیلئے اتنا مشہور تھا کہ اس کا نام لینے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی یہ صفات سُنتے ہی ہر شخص سمجھ سکتا تھا کہ اشارہ کس کی طرف ہے۔

۶۰ اس فقرے کا تعلق اُوپر کے سلسلۂ کلام سے بھی ہو سکتا ہے اور بعد کے فقرے سے بھی۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ

آیات اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کے افسانے ہیں۔ عنقریب ہم اسکی سونڈ پر داغ لگائینگے۔[ف۱۱] ہم نے اِن (اہل مکہ) کو اُسی طرح آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح ایک باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا[ف۱۲] جب انھوں نے قسم کھائی کہ صبح سویرے ضرور اپنے باغ کے پھل توڑیں گے اور وہ کوئی استثناء نہیں کر رہے تھے[ف۱۳]۔ رات کو وہ سوئے پڑے تھے کہ تمھارے رب کی طرف سے ایک بلا اُس باغ پر پھر گئی اور اُس کا ایسا حال ہوگیا جیسے کٹی ہوئی فصل ہو۔ صبح ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پکارا کہ اگر پھل توڑنے ہیں تو سویرے سویرے اپنی کھیتی[ف۱۴] کی طرف نکل چلو۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس باغ میں نہ آنے پائے۔ وہ کچھ نہ دینے کا فیصلہ کئے ہوئے صبح سویرے جلدی جلدی[ف۱۵] اس طرح وہاں گئے جیسے کہ وہ (پھل توڑنے پر) قادر ہیں۔ مگر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے "ہم راستہ بھول گئے ہیں —— نہیں، بلکہ ہم محروم رہ گئے۔"[ف۱۶] اُن میں جو سب سے بہتر آدمی تھا اس نے کہا "مَیں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟"[ف۱۷] وہ پکار اٹھے "پاک ہے، ہمارا رب، واقعی ہم گناہگار تھے۔" پھر اُن میں سے ہر ایک دوسرے کو

ایسے آدمی کی دھونس اس بنا پر قبول نہ کرو کہ وہ بہت مال اولاد رکھتا ہے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ بہت مال اولاد والا ہونے کی بنا پر وہ مغرور ہوگیا ہے، جب ہماری آیات اُسکو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلے وقتوں کے افسانے ہیں۔

ف۱۱ چونکہ وہ اپنے آپکو بڑی ناک والا سمجھتا تھا اس لئے اس کی ناک کو سونڈ کہا گیا ہے اور ناک پر داغ لگانے سے مراد تذلیل ہے۔ یعنی ہم دنیا اور آخرت میں اس کو ایسا ذلیل و خوار کریں گے کہ ابد تک یہ عار اس کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔

ف۱۲ اس مقام پر سورۂ کہف رکوع ۵ بھی پیش نظر رہے جسمیں اسی طرح عبرت دلانے کیلئے دو باغ والوں کی مثال پیش کی گئی ہے۔

ف۱۳ یعنی انھیں اپنی قدرت اور اپنے اختیار پر ایسا بھروسہ تھا کہ قسم کھا کر بے تکلّف کہہ دیا کہ ہم ضرور کل اپنے باغ کے پھل توڑیں گے اور یہ کہنے کی کوئی ضرورت وہ محسوس نہیں کرتے تھے کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم یہ کام کریں گے۔

ف۱۴ کھیتی کا لفظ غالباً اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ باغ میں درختوں کے درمیان کھیت بھی تھے۔

ف۱۵ اصل الفاظ ہیں عَلٰی حَرْدٍ۔ حرد عربی زبان میں روکنے اور نہ دینے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ قصد اور طے شدہ فیصلے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور سُرعت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اسی لئے ہم نے ترجمے میں تینوں معنوں کی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔

ف۱۶ یعنی پہلے تو انھیں باغ کو دیکھ کر یقین نہ آیا کہ یہ انھی کا باغ ہے اور کہنے لگے شاید ہم راستہ بھول کر کسی اور جگہ نکل آئے ہیں۔ پھر جب غور کیا اور معلوم ہوا کہ یہ ان کا اپنا باغ ہی ہے تو چیخ اُٹھے کہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔

ف۱۷ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ کل ہم اپنے باغ کے پھل ضرور توڑیں گے اُس وقت اس شخص نے ان کو تنبیہ کی تھی کہ تم خدا کو بھول گئے، انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ مگر انھوں نے اس کی پروا نہ کی۔ پھر جب وہ مسکینوں کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ کر رہے تھے اُس وقت بھی اس نے انھیں نصیحت کی کہ اللہ کو یاد کرو اور اس بری نیت سے باز آجاؤ، مگر وہ اپنی بات پر جمے رہے۔

ملامت کرنے لگا۔ ف۱۸ آخر کو انھوں نے کہا" افسوس ہمارے حال پر بیشک ہم سرکش ہو گئے تھے بلعید نہیں کہ ہمارا رب ہمیں بدلے میں اس سے بہتر باغ عطا فرمائے، ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں"۔ ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب اِس سے بھی بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ اس کو جانتے۔ ع

یقیناً ف۱۹ خدا ترس لوگوں کے لئے اُن کے رب کے یہاں نعمت بھری جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں؟ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، تم کیسے حکم لگاتے ہو ف۲۰؟ کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ف۲۱ ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو کہ تمھارے لئے ضرور وہاں وہی کچھ ہے جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو؟ یا پھر کیا تمہارے لئے روزِ قیامت تک ہم پر کچھ عہد و پیمان ثابت ہیں کہ تمھیں وہی کچھ ملے گا جس کا تم حکم لگاؤ؟ ان سے پوچھو تم میں سے کون اِس کا ضامن ف۲۲ ہے؟ یا پھر اِن کے ٹھیرائے ہوئے کچھ شریک ہیں (جنھوں نے اس کا ذمہ لیا ہو)؟ یہ بات ہے تو لائیں اپنے اُن شریکوں کو اگر یہ سچے ہیں ف۲۳۔

ف۱۸ یعنی ہر ایک نے دوسرے کو الزام دینا شروع کیا کہ اُس کے بہکانے سے ہم اس خدا فراموشی اور بدنیتی میں مبتلا ہوئے۔

ف۱۹ مکہ کے بڑے بڑے سردار مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم کو یہ نعمتیں جو دنیا میں مل رہی ہیں یہ خدا کے یہاں ہمارے مقبول ہونے کی علامت ہیں اور تم جس بدحالی میں مبتلا ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم خدا کے مغضوب ہو۔ لہٰذا اگر کوئی آخرت ہوئی بھی، جیسا کہ تم کہتے ہو تو ہم وہاں بھی مزے کریں گے اور عذاب تم پر ہوگا نہ کہ ہم پر۔ اس کا جواب اِن آیات میں دیا گیا ہے۔

ف۲۰ یعنی یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ خدا فرمانبردار اور مجرم میں تمیز نہ کرے۔ تمھاری سمجھ میں آخر کیسے یہ بات آتی ہے کہ کائنات کا خالق کوئی اندھا راجہ ہے جو یہ نہیں دیکھے گا کہ کن لوگوں نے دنیا میں اس کے احکام کی اطاعت کی اور بُرے کاموں سے پرہیز کیا اور کون لوگ تھے جو اس سے بے خوف ہو کر ہر طرح کے گناہ اور جرائم اور ظلم و ستم کرتے رہے؟ تم نے ایمان لانے والوں کی خستہ حالی اور اپنی خوشحالی تو دیکھ لی، مگر اپنے اور اُن کے اخلاق و اعمال کا فرق نہیں دیکھا اور بے تکلف حکم لگا دیا کہ خدا کے یہاں اِن فرمانبرداروں کے ساتھ تو مجرموں کا سا معاملہ کیا جائیگا اور تم جیسے مجرموں کو جنت عطا کر دی جائیگی۔

ف۲۱ یعنی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب۔

ف۲۲ اصل میں لفظ زَعیم استعمال ہوا ہے۔ کلامِ عرب میں زعیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کفیل یا ضامن یا کسی قوم کی طرف سے بولنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کون آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے اللہ سے تمھارے لئے ایسا کوئی عہد و پیمان لے لیا ہے۔

ف۲۳ یعنی تم اپنے حق میں جو حکم لگا رہے ہو اس کے لئے سرے سے کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ خدا کی کسی کتاب میں بھی تم یہ لکھا ہوا نہیں دکھا سکتے۔ تم میں سے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُس نے خدا سے ایسا کوئی عہد لے لیا ہے اور جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے اُن میں سے بھی کسی سے تم یہ شہادت نہیں دلوا سکتے کہ خدا کے یہاں تمھیں جنت دلوانے کا وہ ذمہ لیتا ہے۔ پھر یہ غلط فہمی آخر تمھیں کہاں سے لاحق ہو گئی؟

جس روز سخت وقت آ پڑے گا[24] اور لوگوں کو سجدہ کرنے کے لئے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی، ذلّت ان پر چھا رہی ہو گی۔ یہ جب صحیح و سالم تھے اُس وقت انھیں سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا اور یہ انکار کرتے تھے[25]۔

پس اے نبی، تم اس کلام کے جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو[26]۔ ہم ایسے طریقے سے ان کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ انکو خبر بھی نہ ہو گی[27]۔ میں ان کی رسّی دراز کر رہا ہوں، میری چال[28] بڑی زبردست ہے کیا تم ان سے کوئی اجر طلب کر رہے ہو کہ یہ اس چٹّی کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہوں[29]؟ کیا ان کے پاس

ف۲۴ اصل الفاظ ہیں یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ "جس روز پنڈلی کھولی جائے گی۔" صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ محاورے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ عربی محاورے کے مطابق سخت وقت آ پڑنے کو کشفِ ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں اور ثبوت میں کلامِ عرب سے استشہاد کیا ہے۔ ایک اور قول جو ابن عباسؓ اور ربیع بن انس سے منقول ہے اس میں کشفِ ساق سے مراد حقائق پر سے پردہ اُٹھا لیا گیا ہے اس تاویل کی رو سے معنی یہ ہوں گے کہ جس روز تمام حقیقتیں بے نقاب ہو جائیں گی اور لوگوں کے اعمال کھل کر سامنے آ جائیں گے۔

ف۲۵ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے روز علی الاعلان اس بات کا مظاہرہ کرایا جائے گا کہ دنیا میں کون اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا تھا اور کون اُس سے منحرف تھا۔ اِس غرض کے لئے لوگوں کو بلایا جائے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ بجا لائیں، جو لوگ دنیا میں عبادت گزار تھے وہ سجدہ ریز ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کے آگے سرِ نیاز جھکانے سے انکار کر دیا تھا اُن کی کمر تختہ ہو جائے گی۔ اُن کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا کہ وہاں عبادت گزار ہونے کا جھوٹا مظاہرہ کر سکیں۔ اسلئے وہ ذلت اور پشیمانی کے ساتھ کھڑے رہ جائیں گے۔

ف۲۶ یعنی ان سے نمٹنے کی فکر میں نہ پڑو۔ ان سے نمٹنا میرا کام ہے۔

ف۲۷ بے خبری میں کسی کو تباہی کی طرف لے جانے کی صورت یہ ہے کہ ایک دشمنِ حق اور ظالم کو دنیا میں نعمتوں سے نوازا جائے، صحت، مال، اولاد اور دنیوی کامیابیاں عطا کی جائیں جن سے دھوکا کھا کر وہ سمجھے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں خوب کر رہا ہوں، میرے عمل میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ اس طرح وہ حق دشمنی اور ظلم و طغیان میں زیادہ سے زیادہ غرق ہوتا چلا جاتا ہے ــــ اور نہیں سمجھتا کہ جو نعمتیں اسے مل رہی ہیں وہ انعام نہیں ہیں بلکہ درحقیقت یہ اس کی ہلاکت کا سامان ہے۔

ف۲۸ اصل میں لفظ کَید استعمال ہوا ہے جس کے معنی کسی کے خلاف خفیہ تدبیر کرنے کے ہیں۔ یہ چیز صرف اُس صورت میں ایک برائی ہوتی ہے جب یہ ناحق کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے ہو۔ ورنہ بجائے خود اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کسی ایسے شخص کے خلاف یہ طریقہ اختیار کیا جائے جس نے اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا لیا ہو۔

ف۲۹ سوال بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جا رہا ہے مگر اصل مخاطب وہ لوگ ہیں جو آپ کی مخالفت میں حد سے گزرے جا رہے تھے۔ اُن سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا رسول تم سے کچھ مانگ رہا ہے کہ تم اس پر اتنا بگڑ رہے ہو؟ تم خود جانتے ہو کہ وہ ایک بے غرض آدمی ہے اور جو کچھ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے صرف اس لئے کر رہا ہے کہ اسکے نزدیک

غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں؟[ف۳۰] پس اپنے رب کا فیصلہ صادر ہونے تک صبر کرو[ف۳۱] اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کی طرح نہ ہو جاؤ[ف۳۲]، جب اُس نے پکارا تھا اور وہ غم سے بھرا ہوا تھا[ف۳۳]۔ اگر اس کے رب کی مہربانی اُسکے شاملِ حال نہ ہو جاتی تو وہ مذموم ہو کر چٹیل میدان میں پھینک دیا جاتا[ف۳۴]۔ آخر کار اُسکے رب نے اسے برگزیدہ فرما لیا اور اسے صالح بندوں میں شامل کر دیا۔ جب یہ کافر لوگ کلامِ نصیحت (قرآن) سُنتے ہیں تو تمھیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمھارے قدم اُکھاڑ دینگے[ف۳۵] اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔ حالانکہ یہ تو سارے جہان والوں کیلئے ایک نصیحت ہے۔ ع

اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔ تم نہیں ماننا چاہتے تو نہ مانو مگر اس تبلیغ پر آخر اتنے چراغ پا کیوں ہوئے جا رہے ہو؟ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد پنجم، تفسیر سورۂ طور، حاشیہ ۳۱)

ف۳۰ یہ دوسرا سوال بھی بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر دراصل آپ کے مخالفین اس کے مخاطب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم لوگوں نے پردۂ غیب کے پیچھے جھانک کر دیکھ لیا ہے کہ یہ رسول فی الواقع خدا کا بھیجا ہوا رسول نہیں ہے اور جو حقیقتیں یہ تم سے بیان کر رہا ہے وہ بھی غلط ہیں۔ اس لئے تم اس کو جھٹلانے میں اتنی شدت برت رہے ہو؟ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ طور، حاشیہ ۳۲)۔

ف۳۱ یعنی وہ وقت ابھی دور ہے جب اللہ تعالیٰ تمھاری فتح و نصرت اور تمھارے ان مخالفین کی شکست کا فیصلہ فرمادیگا۔ اُس وقت کے آنے تک جو تکلیفیں اور مصیبتیں بھی اس دین کی تبلیغ میں پیش آئیں انھیں صبر کے ساتھ برداشت کرتے چلے جاؤ۔

ف۳۲ یعنی یونس علیہ السلام کی طرح بے صبری سے کام نہ لو جو اپنی بے صبری ہی کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیئے گئے تھے۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، یونس، آیت ۹۸، حاشیہ ۹۹۔ جلد سوم، الانبیاء، آیات ۸۷—۸۸ حواشی ۸۲ تا ۸۵۔ جلد چہارم، الصّافات، آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸، حواشی ۷۸ تا ۸۵)

ف۳۳ سورۂ انبیاء میں اس کی تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ مچھلی کے پیٹ اور سمندر کی تاریکیوں میں حضرت یونس علیہ السلام نے پکارا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ "کوئی خدا نہیں تیری پاک ذات کے سوا، میں واقعی خطاوار ہوں۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو غم سے نجات دی (آیات ۸۷—۸۸)

ف۳۴ اس آیت کو سورۂ صافّات کی آیات ۱۴۲—۱۴۶ کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں ڈالے گئے تھے اس وقت تو وہ ملامت میں مبتلا تھے، لیکن جب انھوں نے اللہ کی تسبیح کی اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تو اگرچہ وہ مچھلی کے پیٹ سے نکال کر بڑی سقیم حالت میں ایک چٹیل زمین پر پھینک دیئے گئے مگر وہ اُس وقت مذمت میں مبتلا نہ تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اُس جگہ ایک بیلدار درخت اُگا دیا تاکہ اُس کے پتّے ان پر سایہ بھی کریں اور وہ اس کے پھل سے بھوک اور تشنگی بھی دور کر سکیں۔

ف۳۵ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم اُردو میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اُس کو کھا جائیگا۔ کفارِ مکّہ کے اس جذبۂ غیض و غضب کی کیفیت سورۂ بنی اسرائیل، آیات ۷۳ تا ۷۷ میں بھی بیان ہوئی ہے۔

مریم جمیلہ

اور

مولانا مودودی

خطوط کے آئینے میں

پیدائشی مسلمان مرد اور عورتیں ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ یہ ایک نو مسلمہ کیا کہہ رہی ہے! اسلام پر ایمان کا فیصلہ ہے کہ اسلام اپنے تمام احکام کے ساتھ حق ہے اور اس کے خلاف ہر شے باطل ہے۔ کیا ہمارے نفس اور ماحول کے خلاف پڑنے والے اسلامی احکام کے متعلق ہمارے روح و دل میں بھی یہی تسلیم و تائید کی حسین ایمانی کیفیت موجود ہے؟ ــــ پھر مریم جمیلہ نے صرف کہا نہیں بلکہ کر کے بھی دکھا دیا۔ وہ ایک ایسے مسلمان کی بیوی ہیں کہ جس کی پہلی بیوی موجود ہے۔ کثرتِ ازدواج کے حکم کو زندہ کرنے والی ہستی حقیقی مومنہ ہے یا وہ لوگ کہ جو ان کے احکام کو باعثِ شرم کہتے ہیں! (شمس نوید)

نیو یارک ۸ر نومبر ۱۹۶۱ء

محترمی مولانا مودودی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط مورخہ ۲۴ر اکتوبر کا شکریہ۔ میں خوش ہوں کہ آپ معذرت کیشانہ اور بحث مباحثہ والے انداز کے اتنے ہی مخالف ہیں جتنی میں خود ہوں۔ میں نے ۱۹۵۳ء سے جب پہلی بار انگریزی میں مل سکنے والا لٹریچر پڑھنا شروع کیا تو میرے سارے ہی مسلمان احباب اور شناساؤں نے مجھے اس بات پر ابھارا کہ میں سر سید امیر علی صاحب کی "روحِ اسلام" (THE SPRIT OF ISLAM) کا مطالعہ کروں۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جب اس سے فارغ ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسلام کے متعلق اس سے بدتر کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ میرے مسلمان دوست اس مخالفانہ ردِ عمل سے حیران تھے اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ آخر میں نے اس کتاب کو پسند کیوں نہیں کیا۔

مثال کے طور پر کثرت ازدواج کے معاملہ کو لے لیجئے حد یہ ہے کہ ڈاکٹر حبیب اللہ جیسے مسلمانوں نے کہ جو واشنگٹن میں اسلامک مرکز کی نگرانی کرتے ہیں مجھے بتایا کہ اسلام محض شاذ و نادر قسم کے حالات میں کثرتِ ازدواج کی اجازت دیتا ہے۔ کچھ تجدد پسند حضرات تو اس حد تک جا پہنچتے ہیں کہ قرآن کی جس آیت میں کہا گیا ہے کہ "تم ایک سے زائد بیویوں کے ساتھ برابر کا سلوک کر نہیں سکتے خواہ کتنا ہی اسکو چاہو" اس کی تفسیر و تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ ایک سے زائد شادی کی قطعی ممانعت ثابت ہو جائے۔ محمد علی لاہوری صاحب کی انگریزی تفسیر قرآن پاک کا مندرجہ ذیل اقتباس معذرت کیشانہ نقطۂ نظر کی منفرد قسم کی مثال ہے۔ (صفحہ ۸۸-۱۸۷)

سورت ۴ کی آیت ۳ محض کچھ خاص حالات میں کثرتِ ازدواج کی اجازت دیتی ہے .... اس طرح یہ بات صاف ہو جائیگی کہ اس پائے جانے والے مسلم معاشرے کے کچھ مخصوص قسم کے حالات کے تحت ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی تھی ..... یہاں اتنا اور کہا جا سکتا ہے کہ کثرتِ ازدواج اسلام میں نظری اور عملی دونوں ہی لحاظ

سے ایک استثنا ہے، کوئی اصول نہیں۔......"

اس طرح کی دسیسہ کاریوں کے خلاف محکم ترین دلیل یہ ہے کہ پوری مسلم تاریخ میں کسی بھی نامور مفسّرِ قرآن پاک نے اسوقت سے پہلے کبھی بھی اس آیت کی اس طرح تفسیر بیان نہیں کی جب تک مسلم دنیا یورپ کی مادہ پرستی سے مغلوب نہیں ہوگئی۔ میں تو کہیں بھی قرآن یا حدیث میں یہ نہیں پاتی کہ کثرتِ ازدواج کو فی نفسہٖ مطلق شر کہہ کر بُرا کہا گیا ہو اور نہ ہی اس کا کوئی سوال ہی اٹھتا ہے کہ اس کو مستثنیٰ قسم کے احوال تک محدود کیا جائے زیرِ بحث آیت (۱۲۹:۴) کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"تم اپنی بیویوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا خواہ کتنا ہی کیوں نہ چاہو، کر نہ پاؤگے لیکن (دوسری بیوی) کی سمت سے بالکل اس طرح ہٹ نہ جانا کہ وہ ادھر میں پڑی رہ جائے۔ اگر تم حسن وخوبی کی روش اختیار کرو اور شر سے دامن کشاں رہو تو سُن لو! کہ اللہ ہمیشہ معاف کرنے والا اور رحم کھانے والا ہے۔"

دوسرے الفاظ میں یہ کہنا چاہیئے کہ چونکہ کوئی بھی دو انسانی ہستیاں یکساں نہیں ہوا کرتیں اس لئے ایک شوہر کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ متعدد مختلف بیویوں کو ایک ہی نظرِ محبت سے دیکھے۔ لیکن یہ آیت اس کو ایک سے زائد شادیوں سے منع نہیں کرتی اور وجہ وہی ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں کسی ایک بیوی سے زیادہ محبت کئے بغیر وہ رہ نہیں سکتا۔ نہیں؛ قرآن تو بس اتنا حکم دیتا ہے کہ ان سب ہی کے ساتھ عدل وکرم کا سلوک کیا جائے اور شوہر کو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہے وہاں تک ان کے ساتھ حسین سلوک ہونا چاہیئے اس مضمون سے بحث کرنے والی آیت کی کہیں زیادہ ایماندارانہ تفسیر مارمڈوک پکتھال نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن پاک کے تشریحی اشارات میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسلام میں کبھی بھی عفت وپاکیزگی کو تجرد اور برہمچریہ کے معنی میں نہیں لیا گیا۔ مسیحی دنیا کے لئے تجرد انتہائی سخت گیر مذہبی نصب العین ہے۔ ایک بیوی کر لینا انسانی فطرت کی تقریباً رعایت کے طور پر ہے۔ مسلمانوں کیلئے ایک بیوی رکھنا تو اصول ہے اور ایک سے زائد بیویاں کر لینا فطرت انسانی کی رعایت سے ہے حضرت خدیجہ کے ساتھ شادی میں "یک زوجیت" کی ایک شاندار مثال قائم کرنے کے بعد آنحضرتؐ کو کثرت ازدواج کی بھی ایک مثال قائم کرنا ضروری تھا جس پر عمل پیرا ہوکر اس مزاج کے لوگ حیاتِ طیبہ بسر کر سکیں کثرتِ ازدواج اسلام نے نہیں چلایا اس نے تو ایک آدمی کی جائز بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کرکے اور ہر عورت کو ایک قانونی شخصیت اور قانونی حقوق دے کر جن کا احترام کیا جانا لازمی ہو اور ہر مرد کو ہر عورت کے باب میں اپنے طرزِ عمل پر قانونی طور پر جواب دہ بنا کر کثرتِ ازدواج کے اس ادارہ کو محدود کردیا کہ جس کا وجود پہلے ہی پایا جا رہا تھا۔ رہی یہ بات کہ کثرتِ ازدواج کسی خاص ملک یا کسی خاص تاریخی دور میں رائج ہو یا نہ ہو تو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق سماجی اور معاشی مصالح سے ہے۔"

کیا عجب ہے کہ "وائس آف اسلام" کے اپریل ومئی سنہ ۶۱ء کے شمارے میں جو جامعۃ الفلاح کراچی سے چھپتا ہے ایک مضمون محمد شبلی کے قلم سے آپنے "اسلامی تعزیرات" کے عنوان سے ملاحظہ فرمایا ہو کہ جسکو پڑھتے ہی میں اسکی تعریف کرنے پر مجبور ہوئی کہ اسمیں کتنے دو ٹوک اور صاف صاف انداز میں اس بات کے منطقی دلائل پیش کئے گئے کہ اسلام نے زنا پر سنگسار کرنے، چوری پر ہاتھ کاٹ دینے بدکاری اور

ے تو سنی پر برسرِ عام درّے لگانے وغیرہ کی وہ سزائیں کیوں رکھی ہیں کہ جن کو "وحشیانہ" ہونے کا الزام دیا جاتا ہے۔ عہد رواں کے سو مسلمان مصنفوں میں سے ننانوے لوگ قرآن کے قانونِ جرم و سزا کی تفسیر کرنے بیٹھیں گے تو اسکو عہدِ جدید کیلئے متروک قرار دینے کی کوشش کئے بغیر نہ رہیں گے۔ ان لوگوں کی طرزِ فکر کا خصوصی غمّاز وہ عتاب آمیز خط تھا جو ایڈیٹر کے نام اسی رسالے کے اگست کے شمارے میں نکلا اور جسمیں محمد شبلی کو اس بات پر آڑے ہاتھوں لیا گیا ہے کہ انھوں نے لادینی مغربی قانونی نظاموں کو شریعت کے مقابلہ میں برتر و بہتر قرار کیوں نہیں دیا۔

جیسا کہ حبیب بورقیبہ نے اعلان کیا۔ "اب تک اسلام کو ایسا ہی سمجھا گیا جیسا کہ علماء نے اسکی تعبیر و تشریح کی —— ایک جامد تعبیر و تفسیر کہ جو ان تمام زوال رسیدہ صدیوں میں ذرا بھی تبدیل نہیں ہوئی۔ اس تعبیر و تشریح کا زمانہ ختم ہوا......" دوسرے الفاظ میں یہ تجدد کیش ہمیں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ گذشتہ پورے بارہ سو سال میں جتنے مجدد ہوئے ہیں انھوں نے قرآن کے حقیقی معنیٰ سمجھنے میں ٹھوکر کھائی اور بس اب پہلی بار ان تجدد کیشوں کو ٹھیک ٹھیک زاویۂ نظر کا حصول ہوا ہے!۔

یہ ہیں وہ چند وجوہ اس امر کے کہ میں معذرت خواہانہ انداز کو عقلی بددیانتی کا نقطۂ عروج اخلاقی جبن و بزدلی، روحانی زندقہ اور منافقت تصور کیوں کرتی ہوں جب یہ "ترقی پسند" مسلم طلبا مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ جب تک معاشی ترقی اور بلند تر معیار حاصل نہ ہو جائے ان کے ممالک مذہبی بن نہیں سکتے تو مجھے حضرت عیسیٰ المسیح علیہ السلام کے وہ الفاظ یاد آئے بغیر نہیں رہتے کہ جو عہد نامۂ جدید میں مرقوم ہیں کہ جب انھوں نے اپنے ماننے والوں سے کہا تھا "تم پہلے آسمانی بادشاہت کی تلاش کرتا ہے پھر تو یہ ساری ہی مادّی چیزیں تمہارے قدموں میں ڈال دی جائیں گی۔" لیکن یہ "ترقی پسندانِ کرام" اس بات کو بالکل گھما دینا چاہتے ہیں! وہ ہمیں باور کراتے ہیں کہ "بعد" اس کے کہ مادی خوشحالی حاصل ہو جائے انھیں روحانی امور پر یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونے کا موقع زیادہ ملے گا۔ لیکن تجربہ گواہ ہے کہ بات یوں ہرگز نہیں ہے کیونکہ جو شخص اس روش پر چلتا ہے اس پر مادہ پرستانہ مشاغل کی وہ یورش ہوتی ہے کہ زندگی کا روحانی رخ سرے سے یاد ہی نہیں رہ پاتا۔

یہ لوگ جس سہل انگارانہ عقل و سوز استدلال سے کام لیتے ہیں اسکی تصویر کشی اس وقت ہوئی جب نیویارک میں مسجد والے میرے عربی کے استاذ نے بھولے سے کہا کہ کمال اتاترک نے ترکوں کو ادائیگی حج سے اس لئے روکا تھا کہ معاشی صورتِ حال ابتر تھی اور لوگ فاقوں سے مر رہے تھے چنانچہ حکومت ملک سے باہر کوئی سرمایہ منتقل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔

"یہ بات بالکل بجا اور برحق تھی" میرے استاذ نے ثابت کیا" اور اسلام کی روح کے مطابق تھی کیونکہ حج صرف ان پر فرض ہوتا ہے جن میں اسلی مالی گنجائش اور استطاعت موجود ہو۔" اور —— جو بات بیان کرنے سے رہ گئی وہ یہ ہے کہ اتاترک کے فرمان نے صرف مکہ کا حج بند کیا تھا! دوسرے تمام غیر ملکی سفر —— بطورِ خاص امریکہ اور یورپ کے سفر —— نہ صرف یہ کہ ان کی اجازت تھی بلکہ شاہی سرپرستی ان کی حوصلہ افزائی کے لئے موجود تھی۔

کولمبیا یونیورسٹی میں مسلم اسٹوڈینٹس ایسوسی ایشن کے جلسوں میں وہ روایتی اسلامی تعلیم "ہدف خاص" بنتی ہے کہ جو الازہر، دیوبند یا دوسرے فروتر مدارس میں دی جاتی ہے اور اس بنیاد پر کہ اسمیں حفظ کرنے پر زور دیا جاتا ہے ان اداروں پر یہ تنقید ہوتی ہے کہ وہ عقلی آزادی اور تخلیقی اور طبع زاد فکر کا گلا گھونٹتے ہیں۔ یہ طلبا اس باب میں سرور انگیز جہل میں مبتلا ہیں کہ جسکی تنقید کا حملہ وہ ان مدرسوں پر کرتے ہیں وہ خود ان کے باب میں ہزاروں

گئی صحیح بیٹھتی ہے۔ ان مغربی تعلیم یافتہ طلبا میں مجھے تو تخلیقی اور طبعزاد فکر کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ وہ کبھی بھی خود اپنی فکر سے کام نہیں لیتے بلکہ انتہائی مشینی انداز میں وہی بات دہراتے چلے جاتے ہیں کہ جو انھیں طوطے کی طرح پڑھائی جاتی ہے! یہی سبب ہے کہ کولمبیا جیسی امریکی یونیورسٹیاں خواہ مسلم طلبا سے بھری پڑی ہوں۔ لیکن کوئی ان میں کسی حقیقی عالم وفاضل کو ڈھونڈے تو ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اسلام کے لغوی معنی ہیں خدا کی خوشنودی کے آگے خود کو بچھا دینا — ممکن نہیں کہ اس کے قانون پر چلنے اور روزانہ کی عملی زندگی میں اسکی عملی ہدایت کا اتباع کرنے میں اپنی خوشی کو جھکائے بغیر کوئی شخص اللہ سے قریب ہو سکے۔ ایسا شخص اس حکمت پر کبھی شک شبہ نہ کریگا کہ جیسی کولمبیا یونیورسٹی کے اس طالب علم نے دکھائی جس نے مجھ سے کہا کہ اب سور کا گوشت کھانا مسلمانوں کے لئے بالکل حلال ہے کیونکہ آج اسکی نسل چلانے والے یہ جانتے ہیں کہ حفظانِ صحت کے اصول پر سور کو کیسے نشوونما دیا جائے اور اس کا نتیجہ ہے کہ صحت کیلئے جو خطرہ تھا اس کو نکال باہر کیا جا چکا ہے کوئی بھی سچا مسلمان قرآن کے کسی حکم کو یہ کہہ کر مسترد نہیں کر سکتا کہ وہ آج کی زندگی سے کوئی جوڑ نہیں کھاتا۔ زندگی میں اس کا سب سے بڑا نصب العین ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اس طرح زندگی بسر کرے کہ جس طرح اللہ اسے بسر کرانا چاہتا ہے اور اپنے رب کو خفا کر دینے سے زائد کوئی بات بھی اس کو غمگین کرنے والی نہیں ہوگی۔ وہ قانونِ شریعت کو بارِ گراں نہیں بلکہ نعمت سمجھے گا۔ یہ وہ مقام اتصال ہے جہاں ٹھیٹ یہودیت اور اسلام ایک مشترک مقام پر ملاقات کرتے ہیں یہودی معبد میں روزانہ ایک پارسا یہودی قانونِ موسوی ؑ کے مندرجہ ذیل احکام کی تلاوت کرتا ہے:

"واجب کیا گیا تجھ پر کہ تو اپنے رب — اپنے اللہ سے اپنے پورے قلب — اپنی پوری روح اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ محبت کرے۔ اور یہ باتیں جن کا میں (خدا)، تجھے (موسیٰ ؑ کو) حکم دیتا ہوں کہ تیرے دل پر مرتسم رہیں۔ تو جانفشانی کے ساتھ ان کی تعلیم اپنی اولاد کو دیگا اور جب تو اپنے گھر میں بیٹھے گا تو ان کا ذکر کریگا اور تو جب سفر میں کہیں مہمان ہوگا — جب تو لیٹے گا اور جب تو اٹھے گا۔ ایک نشان کے طور پر تو انھیں اپنے ہاتھ پر باندھے رکھے گا اور تیری دونوں آنکھوں کے درمیان ان کی پٹی بندھی ہوئی ہوگی — تو اپنے گھر کے دروازوں پر ان کے کتبے کرائے گا اور اپنے پھاٹکوں پر" (تثنیہ ۔ ۶:۴۰۹)

اس کے علی الرغم یہ تجدد کیش اللہ کے آگے جھکنے کے بجائے اسکی توقع کرتے ہیں کہ اللہ ان کے آگے سر تسلیم خم کرے!۔

اسلامک ریویو جولائی سنہ ۱۹۶۱ء کے شمارے کا اداریہ اس خط کے ساتھ منسلک کر رہی ہوں جس میں پاکستان کے عائلی قوانین کی مدح وثنا کی گئی ہے۔ براہِ کرم ان پر تبصرہ کیجئے۔

آپ کی اسلامی عزیزہ
مریم جمیلہ

لاہور۔ ۱۶ر دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء

عزیزہ مریم جمیلہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آٹھ تاریخ والے اپنے خط کے لئے شکریہ قبول کرو اور ہمرشتہ خط اس اداریہ کا بھی جو اسلامک ریویو میں "عائلی قوانین" کے متعلق شائع ہوا تھا۔ ایک علیحدہ لفافہ میں تمہارے مضمون THE SIGNIFICANCE OF THE TAQBIR کا مسودہ بھی وصول ہوا۔

میں نے یہ مضمون غور سے پڑھا۔ اور اس کے لفظ لفظ سے مجھے اتفاق ہے۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو باضابطہ طور پر حیوانات اور انسانی ہستیوں کی تصویر سازی اور بت گری سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس حقیقت پر تاریخ کی گواہی ہے کہ تصویر سازی شرک اور بت پرستی کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ بت پرستی کا مفہوم یہی ہو کہ کسی شے کی پوجا پاٹ ہی کی جائے۔ جب قائدین اور مشہور ہستیوں کی تصاویر کو جگہ جگہ نمایاں طور پر آویزاں کیا جاتا اور تقسیم کیا جاتا ہے تو یقیناً اس کے نتیجہ میں ان ہستیوں کے لئے ذہنی غلامی پیدا ہوتی ہے اور ایک ایسا جذبۂ احترام پیدا ہوتا ہے جو خدا کے لئے ہونا چاہئے اور ان کے قلب و روح پر خدا کی بڑائی کے بجائے ایک اور کبریائی کا نقش مرتسم ہوتا ہے۔ فی الواقع یہ بت پرستی ہی کی ایک صورت ہے۔

جب روس نے پولینڈ پر قبضہ کیا تھا تو اس سرزمین کے ہر شہر اور ہر قریہ میں اسٹالن کی ہزارہا تصاویر درآمد کی گئیں۔ نازی سپاہی ہٹلر کا فوٹو سینوں پر لگائے رکھتے تھے اور اگر وہ گھائل ہو جاتے اور ہسپتالوں میں ان کے ہونٹوں پر دم واپسیں ہوتا تو وہ اس حال میں نظر آتے کہ ان شبیہوں کو چوم رہے اور آنکھوں سے لگا رہے ہیں اور ڈاکخانہ کے ٹکٹوں پر قومی لیڈروں کی تصاویر ان لوگوں کی دنیاوی بادشاہت کا نشان ہوتی ہیں اور جب سینما کے پردوں پر ان کی تصویریں دکھائی جاتی ہیں تو حاضرین سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ احتراماً کھڑے ہو جائیں۔ اگر یہ سب کچھ شرک نہیں ہے تو آخر پھر شرک ہے کیا چیز؟ نازی فسطائی اشتراکی، کمال پاشائی اور کرنل ناصری لوگوں نے تصاویر کے یہ استعمالات یا زیادہ ٹھیک تعبیر کی جائے تو تصاویر کے یہ ناجائز استعمالات کر کر کے خوب دکھا دیئے ہیں اور ان کے غارت گرانہ نتائج و عواقب کا ایسا کھلا کھلا مظاہرہ کر دیا ہے کہ میرے خیال میں کسی بھی صالح ذہن میں اس باب میں معمولی سا بھی شبہ نہ رہنا چاہئے کہ اسلام تصاویر اور مجسموں کی ممانعت کیوں کرتا ہے۔

کوئی بھی شخص جو توحید اور شرک میں فرق کرنا جانتا ہے تصویر سازی کو کیسے برداشت کر سکتا ہے جبکہ اس کے عواقب اس درجہ عیاں ہو کر سامنے آ چکے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ آخر خروشچیف نے اسٹالن کی مذمت کرتے ہی فی الفور یہ حکم کیوں صادر کر دیا تھا کہ تمام پبلک مقامات سے اسٹالن کی تصویریں اور مجسمے ہٹا دیئے جائیں؟ کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خروشچیف اس بات سے واقف تھا کہ ان ہی تصویروں سے کس طرح ذہنوں پر اس معبود باطل کی خدائی کا نقش قائم تھا؟ قدیم ترین زمانوں سے تصویر نے دنیا میں بداخلاقی اور فواحش کی اشاعت میں عظیم ترین آلۂ کار کا کام کیا ہے۔ شراب، موسیقی، رقص، فحش لٹریچر، تصویر اور مجسّمے زنا اور بدکاری پر ابھارنے والے انتہائی طاقتور محرکات ہی تھے تو ہمیشہ ہی سے اب اور بھی زیادہ ہیں۔ اگر مسلم ممالک کے تجدد زدہ لوگ آنحضرتؐ کی واضح مخالفت کے باوجود اس پر مُصر ہیں کہ ان چیزوں کا چلن رہے "تاکہ زمانے" کی ترنگوں کی تکمیل و تسلی ہو اور زمانہ کے ساتھ ساتھ چلنے پر داد و تحسین ملے تو ہو نہیں سکتا کہ اسلام کے اصول و اقدار کو پامال کئے بغیر یہ کام کیا جا سکے۔ اس بنیادی تغیر کے باوجود آخر یہ حضرات کس طرح خود کو اور دوسروں یہ سمجھتے رہنے پر آمادہ کر سکتے ہیں کہ جیسے حقیقی مسلمان پہلے تھے اب بھی ہیں، میری عقل میں نہیں آتا۔

معذرت کیشوں کے بارے میں تم نے جو کچھ لکھا ہے مجھے اس کی ہر بات سے اتفاق ہے۔ اس طرز استدلال کے دو مخفی و در پردہ اسباب و عوامل ہیں یا تو یہ نتیجہ ہوتا ہے اسلام سے ناواقفیت اور ناقص فہم کا یا پھر یہ شاخسانہ ہوتا ہے شکست خوردہ ذہنیت کا جو چھائے ہوئے کلچر کی قدروں کو اعلیٰ ترین معیار حق کے طور پر اندھا دھند مان لیتی ہے۔ اسکی پاداش میں یہ شکل بن گئی کہ مغربی تہذیب کو یہ مقام ملا کہ یہ فیصلہ کرے کہ اسلام "میں کیا خوبیاں ہیں اور کیا "خامیاں" نہ کہ اس کے برعکس شکل۔ ہند و پاک برصغیر میں معذرت کیشوں کے سرخیل سر سید احمد خاں اور ان کے رفیق کار چراغ علی تھے۔ اس کے بعد سر سید امیر علی نے ہو بہو نقل کی (امیر علی اور چراغ علی دونوں شیعہ تھے)، رفتہ رفتہ پورے علی گڑھ مکتب فکر نے آواز

سے آواز ملاکر اسلام کی طرف سے مغرب کی معذرت پر معذرت پیش کرنے والی دھن چھیڑ دی۔ محمد علی لاہوری (مرزا غلام احمد کے ایک پیروکار اور انگریزی میں قرآن مجید کے مترجم جن کو مغربی مصنفین ان کے ہمنام محمد علی جوہر سے خلط ملط کر دیتے ہیں کہ جو ایک مشہور مدبر اور جنگ آزادی کے سپاہی تھے) اسی علی گڑھ اسکول کے افکار و نظریات میں غرق تھے مصر میں شیخ محمد عبدہ نے اسی انداز کی مصالحت کی روش چلائی اور اسطرح عربی بولنے والی دنیا میں ان لوگوں پر جو بعد میں وارد ہوا کئے مغربیت کا جامہ پہنانے کی راہ آسان کردی۔

اور اب جب وہ لوگ ایک بار اس راہ پر چل کھڑے ہوئے تو پھر اپنی بے محابہ دسیسہ کاریوں پر کوئی قید و بند لگانا ان کے لئے محال ہوگیا۔ جہاد کی تعبیر یہ کی گئی کہ وہ محض ایک "دفاعی" جنگ ہے۔ اسیران جنگ (غلاموں) کے متعلق اسلامی تعلیمات کو بالکل نت نئے اور بیہودہ معنی پہنائے گئے۔ کثرت ازدواج کو اوپرے دل سے محض ایک ہنگامی تدبیر کے طور پر تسلیم کیا گیا کہ جس کو جتنی جلد ناجائز قرار دیدیا جائے اتنا ہی بہتر ہوگا۔ قرآن میں جن معجزوں کا ذکر ہے یا تو ان کا صاف انکار کردیا گیا۔ یا ان کو فطری مناظر کے رنگ میں پیش کرڈالنے کی بوالعجبانہ کاوشیں کرڈالی گئیں۔ فرشتوں کے متعلق کہدیا گیا کہ وہ محض "فطرت کی قوتیں" ہیں اور وحی کے متعلق کہا گیا کہ وہ داخلی نتیجہ ہے ایک غیر معمولی ذہنی حرکت و عمل کا کہ جو خارج میں دیوانے کی خیالی اور وہمی اشکال سے ملتی جلتی صورت گری کرتی ہے ـــ سیاسی طور پر محکوم اور مفتوح ہوکر مسلمانوں کو فکری دنیا میں کچھ کم شکست فاش کا صدمہ نہیں اٹھانا پڑا اور اپنے ذہنی مفلوج پن کے باعث وہ اس ہدایت کو نہ پاسکے جو اللہ نے اپنے آخری رسولؐ کو دی تھی۔

تم نے کثرت ازدواج کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ قطعی طور پر حق ہے۔ میں اتنا ہی اور کہہ سکتا ہوں کہ سورۂ نمبر ۴ کی آیت نمبر ۳ کثرت ازدواج کو قانونی شکل دینے کے لئے نازل نہیں تھی۔ قانون خداوندی کے ذریعہ کثرت ازدواج کبھی ممنوع نہیں ہوئی اور تمام ہی رسولوں کی شریعتوں نے اس کی حلت قائم رکھی تھی۔ بیشتر پیغمبروں کی بیویاں ایک سے زائد تھیں قبل اس کے کہ یہ آیت آنحضرتؐ پر نازل ہو، آپ کی تین بیویاں تھیں (حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ ــ رضی اللہ عنہم) حضور کے بیشتر صحابہؓ کثرت ازدواج پر عامل تھے اس طرح ایک ایسے دستور کو قانونی شکل دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی جو پہلے ہی سے جائز اور پوری طرح مسلمہ تھا۔ زیر نظر آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ جنگ احد کے دوران مدینہ میں بہت سی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوگئے تھے اس مسئلہ کے پیش نظر مسلمانوں کو ہدایت دی گئی کہ اس کو پہلے ہی سے ایک قائم شدہ اور رائج دستور کے ذریعہ حل کریں اور بیوگان ہی سے دو تین یا چار تک بیویاں کرلیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیوائیں اور یتیم بچے کسمپرسی کا شکار ہونے کے بجائے مختلف گھرانوں میں محبت بھرے انداز میں جذب کرلئے گئے۔ اگر خدا کی طرف سے موصول ہونے والی یہ ہدایت اپنے اندر کوئی نیا قانونی اجزا رکھتی تھی تو وہ کثرت ازدواج کے لئے اجازت نہیں بلکہ بیویوں کی گنتی کی چار تک تحدید تھی اور ایک یہ مزید دفعہ کہ اگر شوہر تمام بیویوں کے ساتھ انصاف نہیں کررہا ہے تو یا تو ان کے ساتھ لازماً حسن سلوک کرے یا پھر محض ایک بیوی رکھے۔ یہ دو فقرہ بالا احکام عہد جاہلیت کے عربوں کے اندر معروف و مسلم نہ تھے اور موجودہ بائبل بھی ان کے تذکرے سے تہی دامن ہے۔

جو لوگ اسلام کی نئی تعبیر کرنے کی کوشش کررہے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ وہ کس کو دھوکہ دینے کی فکر میں ہیں؟ ـــ اللہ کو یا خود اپنے ہی آپ کو؟ مگر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ ناپاک فریب دہی بہت دنوں تک چل نہیں سکے گی۔ اپنے سیاسی تسلط کے باعث یہ لوگ مسلم عوام الناس کے حلق سے نیچے اپنے افکار و نظریات کو زبردستی اتارنا چاہتے ہیں اور مغربی پریس ان کی کمر پر تھپکیاں دے رہا ہے لیکن عام لوگوں میں غم و غصہ کی ایک زبردست لہر پائی جاتی ہے اور ان کے خلاف عام رائے اسقدر تیز و تند ہے کہ امریکہ میں رہتے ہوئے تم اس کا تصور بھی نہیں

کرسکتیں۔ جب کبھی تمہارا کسی مسلم ملک میں جانا ہو گا تو تم یہ دیکھو گی کہ نہ صرف سادہ لوح اشخاص بلکہ خود جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت بھی اسلام کی ان نرالی تعبیرات سے سخت بیزار اور تھک چکی ہے کہ اس کی ہیئت اور روح دونوں پر ایک کھلا ظلم ہیں کولمبیا یونیورسٹی میں جن نوجوانوں سے تمہارا ملنا ہوتا ہے وہ مسلمانوں کی رائے عامہ کے حقیقی نمائندے نہیں ہیں۔ وہ محض ایک چھوٹی سی اقلیت کی زبان ہیں کہ جسکو اس کے ہم مذہب لوگ اپنا سرمایہ نہیں بلکہ اپنے اوپر ایک بوجھ تصور کرتے ہیں۔ یہ اشخاص اپنے وطنوں میں واپس آکر غیر ملکیوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں، ان کی عادات، ذوق اور مزاج، طرزِ عمل اور طرزِ فکر سب کے سب اپنے مسلمان بھائیوں سے اس قدر مختلف ہوتے ہیں جیسے زمین اور آسمان ۔ نہ وہ دوسروں سے اور دوسرے ان سے ملتے جلتے نہیں۔ وہ تو ایک وطنی اجنبی نسل کی طرح ہیں کہ جس کی پود یورپ کے نوآبادیاتی سامراج کا قلم لگا کر مسلم ممالک میں اٹھائی گئی۔ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ جمہوری طریقوں سے وہ کبھی بھی اپنی قوم کو لادینی نظام قبول کر لینے پر آمادہ نہ کر پائیں گے لہٰذا وہ قاہرانہ شاہی کے ذریعہ اپنی غیر آمادہ رعایا پر اپنے غیر ملکی فکر و نظر کو بالجبر مسلط کر دینے میں کوشاں ہیں۔ مغربی افق کی طرف سے ان کی حوصلہ افزائی کے لئے یہ تعریفی کلمات بلند ہو رہے ہیں کہ "مشرق ہنوز جمہوریت کے لئے تیار نہیں"۔ لیکن مطلق العنان لوگ جمہوری اصول کے لئے ہلکے سے ہلکا بھی جذبۂ قدر دانی نہیں رکھتے یہ ہیں وہ لوگ جو ایک بہترین قسم کی غلامی کے نخچیر ہیں مغرب ان کی پُر زور داد محض اس لئے کر رہا ہے کہ مغربی مادہ پرستانہ نظام پر وہ اندھا دھند ایمان رکھتے ہیں اور اسلام پر ان کے ایمان و یقین کی بیخ و بُن کاٹ ڈالی گئی ہے جہاں تک عائلی قوانین پر اسلامک ریویو کے اس اداریہ کا تعلق ہے جو تم نے سابقہ خط میں منسلک کیا ہے تمہیں یہ جاننے سے دلچسپی ہو گی کہ جونہی گذشتہ ۷ مارچ کو اس حکم کا نفاذ ہوا میں نے دوسرے علماء کے ساتھ کہ جو تمام مسلّمہ مکاتب فکر کی نمائندگی کرتے تھے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں اس قانون کی ایک شق پر مفصل نقد کیا گیا تھا اور یہ دکھایا گیا تھا کہ یہ قانون قرآن اور سنت کی عین نقیض ہے۔ حکومت کی طرف سے پریس کو ہدایات دی گئیں کہ اس کو شائع نہ کیا جائے مگر اس ممانعت کے باوجود کچھ لوگوں نے کسی نہ کسی طرح اس کو چھاپنے کی جرأت کر ہی ڈالی۔ ان سے طرح طرح سے بازپرس ہوئی اور خوفزدہ کیا گیا اور بعض لوگوں کو تو پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت جیل میں ڈال دیا گیا۔ اسی عرصہ میں ان "اصلاحات" پر کچھ قصیدے لکھوا کر بھی ملک میں اور بیرون ملک بڑے پیمانہ پر پھیلایا گیا۔

تم نے مجھ سے اس اداریہ پر بھی تبصرہ کی فرمائش کی ہے۔ اب میں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ اس قانون کے علمبرداروں کا یہ تنقید سے ڈرنا اپنے پر خود ہی بہت کافی تبصرہ ہے۔ آخر میں جواب خط میں مجھے اپنی غیر معمولی تاخیر پر ضرور معذرت پیش کرنی چاہیئے ـــ ایک تاخیر جو بلا وجہ نہیں تھی۔

فقط والسلام و دعائے خیر
تمہارا اسلامی عزیز
ابوالاعلیٰ

تجلّی کی ڈاک

فطرت کا مفہوم

سوال: از ایم۔ جے۔ اختر۔ انگلینڈ۔

پچھلے دنوں ایک جلسہ تھا، میں بھی وہاں گیا۔ کیونکہ جلسہ کا تعلق دینی موضوع سے تھا۔ فاضل مقرر نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے اور لوگوں کو غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لانے کی کوششیں کیں جب کہ انسان ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھتا تھا مگر انبیاءؑ نے "مشاہدے اور فطرت کیخلاف تعلیم دی"۔ جلسے کا احترام کرتے ہوئے میں مقرر سے تو یہ نہ پوچھ سکا کہ فطرت کے کیا معنی ہیں اور نہ ہی کوئی اور شخص اس بات پر چونکا حالانکہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ جلسے میں تشریف فرما تھے۔ میں سوچتا ہوں کہ شائد میں ہی فطرت کے صحیح مفہوم سے ناواقف ہوں۔ براہِ مہربانی میری یہ الجھن دور فرمائیے۔ والسلام۔

جواب:

ایسا خیال ہوتا ہے کہ فاضل مقرر اپنے مافی الضمیر کے اظہار میں صحیح الفاظ بولنے پر قادر نہ ہو سکے۔ سیاق و سباق میں ان کے جملے کا یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی سطحی بیں نظریں حقائق کی تہہ تک پہنچنے کی اہل نہ تھیں۔ وہ ہر اس چیز کی طرف دوڑ جاتا تھا جو بظاہر خوشنما اور دمدار معلوم ہو مثلاً اس نے سورج کو دیکھا کہ وہ تمام دنیا کو زندگی بخشتا ہے۔ وہ نہ ہو تو ہر طرف اندھیر چھا جائے اور پوری دنیا برف خانہ بن جائے۔ اس کی بلندی، عظمت اور افادیت کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا لہٰذا مناسب ہوگا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اسے معبود مان لیا جائے۔

یہ ایک مثال ہم نے سطحی دلکشی کی پیش کی۔ انبیاء علیہم السّلام کو اللہ نے اسی لئے مبعوث کیا کہ وہ انسانوں کو ایسی فریب خوردگی سے بچا کر اُن حقائق سے آگاہ کریں جو مشاہدے کی زد سے باہر ہیں اور انھیں بتائیں کہ سورج، چاند، آسمان، ہوا، بادل، سمندر، پہاڑ یہ سب اپنی غیر معمولی افادیتوں اور عظمتوں کے باوجود پرستش کے لائق نہیں ہیں بلکہ پرستش کے لائق وہ خدائے واحد ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے۔ نیز وہ بتائیں کہ بظاہر جو شخص مر کر خاک ہو جاتا ہے یا جلا دیا جاتا ہے یا سمندر میں بہا دیا جاتا ہے وہ ہمیشہ کے لئے فنا نہیں ہو گیا بلکہ وہ ایک دن پھر زندہ کیا جائے گا اور اس سے اللہ تعالیٰ حساب لیں گے۔ پھر نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا دی جائے گی۔

خدا، حیات بعد الممات، قیامت، حساب کتاب، جنت دوزخ، یہ سب چیزیں نظروں سے غائب ہیں۔ انسانی مشاہدے کی دسترس سے بلند۔ شاید اسی لئے فاضل مقرر نے "مشاہدے اور فطرت کے خلاف" کا فقرہ استعمال کیا۔ ہمیں امید ہے کہ ان کا یہی مطلب ہوگا۔ ورنہ حقیقتاً انبیاء علیہم السلام فطرت کے خلاف تعلیم دینے نہیں آئے تھے بلکہ وہ اُن فطری رجحانات کا ٹھیک ٹھیک رخ متعین کرنے آئے تھے جنھیں صحیح رُخ پر چلانا اور مناسب حدود میں رکھنا آسمانی ہدایت کے بغیر انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔

ہر نبی "اسلام" ہی کی تعلیم دینے آتا رہا ہے اور اسلام

نہ مشاہدے کے خلاف ہے نہ فطرت کے۔ خدا اور عالمِ آخرت اگرچہ مشاہدے سے ماوراء ہیں لیکن مشاہدے سے ماوراء ہونا اور مشاہدے کے خلاف ہونا دو الگ الگ باتیں ہیں آپ نے کبھی سائبیریا نہیں دیکھا یا دیوبند تشریف نہیں لائے تو ظاہر ہے کہ یہ دونوں مقامات آپ کے مشاہدے کی حدود سے باہر ہیں مگر یہ تو آپ نہ کہہ سکیں گے کہ یہ مشاہدے کے "خلاف" ہیں۔ اسی طرح خدا اور عالم غیب کی اشیاء کا مشاہدے کی دسترس سے باہر ہونا "مشاہدے کے خلاف" ہونا نہیں ہے۔

خدا کرے ہم نے فاضل مقرر کے ذہن کی صحیح ترجمانی کی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بدعات کے لمبے سائے

سوال :- از- محمد یعقوب- جزیرہ فیجی (آئس لینڈ)

ہمارے یہاں فیجی ایک بڑا جزیرہ ہے۔ اس جزیرے میں مسلمانوں کی آبادی قریب چالیس کروڑ ہے یہ سب ہندوستان اور پاکستان کے مسلمان ہیں۔ یہ سب وہاں سے آکر آباد ہوئے ہیں۔ یہاں کے جو مولوی صاحبان ہیں وہ صرف تعویذ گنڈے اور پیٹ پالو ہیں۔ اپنا الّو سیدھا کرنے والے ہیں۔ نمازیں قضا ہوں روزے نہ رکھیں۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہو کہ پاکستان سے جناب مولانا لال حسین اختر فیجی آئے تھے انھوں نے بھی یہاں کے مسلمانوں کو نصیحت کی تھی۔ لیکن ان کے جانے کے بعد پھر مسلمانوں میں بغاوت اس قدر پھیلی کہ خدا کی پناہ۔ یہاں کے مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ میلاد اکبر پڑھو اور قیام تعظیم کے لئے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ نماز چھوٹ جائے روزے چھوٹ جائیں فرض و واجب ترک ہو جائیں مگر تعظیم کے لئے نہیں کھڑے ہوئے تو کہتے ہیں کہ یہ مولوی صاحب وہابی ہیں ان کا عقیدہ ٹھیک نہیں ہے۔

جناب ایڈیٹر صاحب تجلّی آپ برائے مہربانی اس سوال کا جواب کہ میلاد میں قیام تعظیمی کے لئے کھڑا ہونا چاہئیے یا نہیں۔ صحابہؓ و تابعین کے زمانے میں یہ رائج تھا یا نہیں؟ حدیث اور قرآن کی روشنی میں سمجھائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا اور تمام فیجی کے مسلمان شاید آپ کے جواب سے راہِ راست پر آجائیں اس لئے آپ کو اجر ہی اجر ملے گا۔ خط ملتے ہی فوراً ماہنامہ تجلّی میں شائع کر دیں۔

جوابؔ :-

"چالیس کروڑ" کا لفظ آپ کے قلم سے غالباً سہواً نکل گیا ہے۔ شاید "چالیس ہزار" درست ہوگا۔

جس مسئلے کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے اس پر ہند و پاک میں تو بے شمار لکھا جا چکا ہے اور تجلّی میں بھی بہت مرتبہ بحث آچکی ہے۔ لیکن آپ کی طرف اس لٹریچر کا پہنچنا مشکل ہے اس لئے مختصراً یہاں جواب دیئے دیتے ہیں۔

دراصل عوام تو دین کے معاملے میں ہمیشہ علماء کے تابع رہا کرتے ہیں اور علماء اگر بگڑ جائیں تو عوام کا بگاڑ یقینی ہے۔ سب علماء تو نہیں بگڑے۔ صالح اور سچے علماء ہر دور میں موجود رہے ہیں اور آج بھی ہیں لیکن بڑی تعداد ان کی بگڑ چکی ہے۔ بگڑنے کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بعض کا بگاڑ یہ ہے کہ دین کے نام پر نئی نئی رسمیں گھڑو اور قرآن وسنت کو بنیادی اہمیت دینے کے بجائے اپنی عقل کو یا اپنے کچے پکے علم کو یا اپنے پسندیدہ مرشدوں کو حجت اور ہادی اور رہنما سمجھو۔ وہ جو کچھ تعلیم دیدیں اسے سینے سے لگالو چاہے مستند علمائے سلف کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہ ہو۔

جب مسلمان دین کے اصلی اور معتبر سرچشموں سے کٹ جائے گا تو لازماً وہ غلط راہوں کی طرف جائے گا۔ بدعتوں میں مبتلا ہوگا پیتل پر سونے کا دھوکا کھائے گا۔ خود بھی برباد ہوگا اور دوسروں کو بھی بربادی کی راہ پر لگائے گا۔

یہ مولود، قبروں کے عرس، نذر و نیاز کے بکھیڑے، تیجے اور چہلم وغیرہ کے ہنگامے، سب ایسی ہی بدعات ہیں جنھیں کم علم یا کم عقل عالموں اور صوفیوں نے اپنی دانست میں کارِ ثواب جانا اور عوام کو ان کی تعلیم دی۔ عوام بے چارے کیا جانیں کہ ان کے سامنے جو صاحب بڑی سی داڑھی، لمبا سا

کرتہ اور پورا شرعی حلیہ لئے وعظ فرما رہے ہیں وہ واقعۃً عالمِ دین ہیں یا محض عطائی ۔ فقیہ ہیں یا غبی ۔ خدا ترس ہیں یا نفس پرست ۔ وہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ یہ صاحب جو کچھ بھی بتائینگے عین دین ہوگا اور جو تعلیمات یہ دیں گے ان کی صحت اور عمدگی میں شک ہو ہی نہیں سکتا ۔

بس اس طرح بدعتیں چل جاتی ہیں اور غریب عوام دین کے نام پر نادانستہ بدعت و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ پھر بدعتوں میں نفس کے لئے بڑا ذائقہ ہے ۔ جب ایک بار ان کی چاٹ لگ جائے تو ان سے چھٹکارا مشکل ہو جاتا ہے ۔

ہم فجی کے برادرانِ اسلام سے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اے عزیز بھائیو! تمھیں دھوکا دیا گیا ہے ۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مقدس کی محفلیں کرنا ویسے تو بڑے ثواب کی بات ہے لیکن انھیں ایک مستقل رسم بنا لینا پھر ان میں غلط سلط روایتیں پڑھنا اور سلام کے وقت کھڑا ہونا اسلام کی تعلیم نہیں ہے ۔ صحابہؓ اور تابعین تو الگ رہے ۔ شروع کے پانچسو سالوں تک کسی بھی ملک اور شہر میں نہ تو میلاد کی مجلسوں کا نام تھا نہ اس حماقت میں کوئی مسلمان مبتلا تھا کہ جہاں حضورؐ کا نام آئے فوراً کھڑے ہو جاؤ ۔ حضورؐ کا نام آنے پر اسلام نے درود کی تعلیم دی ہے ۔ وہ بھی پورا درود ضروری نہیں بلکہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا کافی ہے ۔ اگر پورا درود پڑھیں تب بھی مضائقہ نہیں لیکن اسے مجلسوں میں کورس کے انداز میں پڑھنا فقط ایک بعد کی رسم ہے اور میلادوں میں تعظیماً قیام کرنا شرک کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ شرک کی پرچھائیں تک سے محفوظ رکھے ۔ تم جانتے ہو کہ اگر کسی غذا میں زہر کی ہلکی سی آمیزش کا بھی شبہ ہو تو اسے کوئی ہوشمند چکھنا بھی پسند نہیں کرتا ۔ "شرک" مسلمان کے لئے زہر سے بھی بدتر ہے ۔ اگر تعظیماً قیام کرنے والے کے دماغ میں مشرکانہ خیالات نہ ہوں تب بھی شرک کا شائبہ اس میں ضرور پایا جاتا ہے لہذا عافیت اسی میں ہے کہ اس سے بچو ۔ نماز روزے کا ترک اور دوسرے بڑے بڑے گناہ مسلمان کو ایسا جہنمی نہیں بناتے کہ سزا بھگتنے کے بعد بھی جنت کی امید نہ ہو، لیکن اگر خدا نخواستہ کوئی مسلمان اپنے کسی عمل کی وجہ سے آخرت میں مشرک قرار دیدیا گیا تو پھر جنت کی خوشبو بھی میسر نہ آسکے گی اور ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہنا ہوگا ۔

خود سوچ لو ہمارا بھلا اس میں کیا حرج ہے کہ تم قیام کرتے ہو یا قبروں پر میلے لگاتے ہو ۔ ہم تو تمھارے ہی فائدے کے لئے تنبیہ کرتے ہیں کہ بدعتوں سے بچو ۔ اللہ اور رسولؐ کے احکام پر چلو ۔ غلط قسم کے پیروں اور مولویوں کے چکر میں نہ آؤ ۔ قرآن اور حدیث کی باتیں بتانے والے پیروں اور عالموں کی تعلیمات پر عمل کرو ۔ یہی راہِ نجات ہے اور راہِ نجات کی پروا اگر اسی چند روزہ زندگی میں نہ کی تو مرنے کے بعد سوائے پچھتاوے کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا ۔ اللہ تمھارا مددگار ہو اور تمھارا دل بدعتوں سے متنفر ہو جائے ۔

پولیس کی پینشن

سوال ۳ :- از ۔ فضل الرحیم ۔ آگرہ ۔

زید ایک ریٹائرڈ پولیس مین ہے ۔ ۳۵ سال پولیس میں رہ کر اور پولیس کے معلومہ فرائض انجام دے کر پنشن لی ہے پولیس کو جو کچھ کرنا پڑتا ہے ظاہر ہے ۔ کیا یہ پنشن زید کی حلال آمدنی متصور ہوگی ؟

جواب ۳ :-

محکمۂ پولیس ایک ضروری، اہم ترین اور بہترین محکمہ ہے بشرطیکہ پولیس والے اپنے فرائض دیانت داری اور محنت کے ساتھ انجام دیں ۔ اس طرح اصلاً اس کی ملازمت بالکل حلال ہے ۔

رہا یہ عملی پہلو کہ پولیس والے عموماً زیادتیاں کرتے ہیں یا ناجائز طور پر مال کماتے ہیں تو اول تو اور کونسا محکمہ ہے جو اس طرح کے عیوب سے پاک ہو ۔ دوسرے ظلم اور حرام خوری کا گناہ اپنی جگہ ۔ لیکن جو تنخواہ سرکار کی طرف سے ڈیوٹی کے بدلے مقرر کی گئی ہے وہ تو بہر حال حلال ہے ۔

پینشن اسی تنخواہ کا ایک حصہ ہوتی ہے ۔ زمانۂ ملازمت

میں پولیس میں اگر غلط کاریاں کرتا رہا ہے یا اس نے بہت سا مال ناجائز طریقے سے کمایا ہے تو اس کا حساب بہرحال مستقلاً اسے آخرت میں دینا ہوگا لیکن جو پنشن اب مل رہی ہے اس کے مالِ حرام کہے جانے کی کوئی وجہ نہیں۔

گانے بجانے کی آمدنی

سوال ۴ :- (ایضاً)

شاہد کی ۴-۵ غزلیں بعد تحریری معاہدہ کمپنی نے ریکارڈ کی ہیں جو مختلف سازوں میں گانے والیوں اور گانے والوں کے اپنے اپنے انداز میں گا کر ریکارڈ ہوئی ہیں۔ ان غزلوں کی رائلٹی شاہد کو ماہ بماہ ملتی رہتی ہے۔
کیا یہ رائلٹی شاہد کی جائز اور حلال آمدنی متصور ہوگی؟

جواب ۴ :-

یہ آمدنی حرام تو نہیں مگر مکروہ ضرور ہے۔ شاہد خود گا بجا نہیں رہا ہے اس لئے اس کی یافت پر "گانے بجانے کی آمدنی" کا اطلاق نہیں ہوگا۔ البتہ گانے بجانے والوں کو تعاون ضرور دے رہا ہے اس لئے اس کی یافت کو کراہت سے خالی قرار دینا تو مشکل ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسند امام اعظمؒ

سوال ۵ :- از۔ حافظ شبیر خاں (مدھیہ پردیش)

کیا مسند امام اعظمؒ حدیث کی معتبر کتاب نہیں ہے؟
ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کتاب غیر معتبر ہے۔ اور امام صاحبؒ کی تصنیف نہیں ہے کسی اور شخص نے احادیث جمع کر کے امام صاحبؒ کی طرف منسوب کر دی ہے تاکہ امام صاحب کا بھی محدث ہونا ثابت ہو جائے۔
نیز مولوی صاحب نے فرمایا کہ دیوبندی بزرگوں نے تفہیم البخاری اور انوار الباری جو بخاری کی شروح لکھی ہیں وہ اکثر مقامات پر غلط ہیں۔ رسالہ نور الایمان جو مولانا داؤد راز نکال رہے ہیں اس میں بخاری کی شرح چھپ رہی ہے جس میں تفہیم البخاری اور انوار الباری کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ آپ صاحبان کو چاہئے کہ اُس رسالے کو اپنے نام جاری کرائیں اور اس کو پڑھیں۔
آگے چل کر مولوی صاحب نے فرمایا کہ ان مدعیانِ حدیث کو چاہئے کہ اس میدان کو تو اس کے شہسواروں کے لئے ہی چھوڑ دیں۔
براہِ کرم مسند امام اعظم اور تفہیم البخاری و انوار الباری کی احادیث و شرح پر صحیح تبصرہ فرمائیں تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے اور یہ بھی پتہ چل سکے کہ مسند امام اعظمؒ امام صاحب کی ہی تصنیف ہے یا کسی اور بزرگ کی۔

جواب ۵ :-

ہمیں بڑا ہی دکھ ہوتا ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی عالم اور مولوی خالص علمی و فقہی اُمور میں بھی مغالطہ دہی، خیانت اور فریب کاری سے کام لے رہا ہے۔
جن مولوی صاحب کا آپ نے ذکر کیا خدا ان کی عمر دراز کرے یہ "اہلِ حدیث" معلوم ہوتے ہیں۔ اہلِ حدیث کو فقہ حنفی یا امام ابوحنیفہؒ سے سوءِ ظن ہے یہ الگ مسئلہ ہے۔ ہم نہیں کہتے کہ انھیں احناف سے اختلاف کا حق نہیں ہے۔ حق ہے اور بالکل ہے لیکن یہ حق علمی دیانت اور نیک نیتی کے ساتھ استعمال ہونا چاہئے۔ یہ کیا کہ چند مغالطہ انگیز اور چلتے ہوئے فقروں سے غریب کم علم عوام کو مبتلائے فریب کر دیا اور چلتے بنے۔ یہ طریقہ اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں ہے۔
کہنے والے کی زبان کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ "اہلِ قرآن" بخاری و مسلم کے بارے میں بھی بلا تامل کہتے ہیں کہ یہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ پھر بھلا مسند امام اعظمؒ کو غیر معتبر کہنے والے بزرگ کی زبان کوئی کیسے پکڑ سکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسند امام اعظمؒ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی معتبر ہے اور دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں اتنے کم واسطوں سے حدیثِ رسولؐ بیان ہوئی ہو جتنے کم واسطوں

سے مسند امام اعظم میں بیان ہوئی ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ تابعی تھے حالانکہ بخاری و مسلم تو کجا امام مالکؒ تک تابعی نہیں ہیں۔ اس طرح قرآن کے بعد اگر کوئی کتاب سب سے زیادہ صحیح اور لائقِ اعتماد ہو سکتی ہے تو وہ مسند امام اعظمؒ ہے نہ کہ بخاری و مسلم بخاری کو "قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب" اس لئے قرار دیا گیا کہ صحیح بخاری کی تالیف کے وقت "مسند امام اعظم" کا وجود نہیں تھا۔ یہ تو بہت بعد میں مرتب ہوئی ہے ورنہ اگر پہلے مرتب ہو گئی ہوتی تو کیا بخاری اور کیا مؤطا امام مالکؒ کوئی بھی مجموعۂ حدیث صحت و استناد میں اس کے پائے کا نہ ہوتا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث میں صحت اور ضعف کا تعلق راویوں سے ہے۔ حدیث کی سند میں راوی جتنے زیادہ ہوں گے شک کی گنجائش بھی اسی نسبت سے ہو گی اور جتنے کم ہوں گے صحت کا امکان بڑھتا جائے گا۔ امام بخاریؒ کے یہاں کم سے کم واسطوں والی روایتیں ثلاثیات ہیں یعنی امام بخاری اور حضورؐ کے مابین تین راویوں کا واسطہ ہے۔ امام مالکؒ کے یہاں ثنائیات بھی پائی جاتی ہیں یعنی فقط دو واسطے لیکن امام ابو حنیفہؒ کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے یہاں احادیات (وُحدان) کی بھی کمی نہیں ہے یعنی فقط ایک واسطہ۔ (ملاحظہ ہو فتح المغیث للسخاوی ص ۲۴۴)

ایک واسطے کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب نے صحابی سے اور صحابی نے حضورؐ سے سُنا۔ مسانیدِ امام اعظمؒ کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں چھ احادیات مل جائیں گی۔ اس سے اندازہ فرمائیے کہ صحت کا مقامِ بلند ابو حنیفہؒ کی مرویات سے بڑھ کر کسے حاصل ہو سکتا ہے۔

مزید کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم اس مغالطہ انگیزی کی حقیقت واضح کر دیں کہ "مسند امام اعظمؒ" امام صاحبؒ کی تصنیف نہیں ہے۔

جن مولوی صاحب کا آپ نے ذکر کیا وہ اگر واقعی صاحبِ علم ہیں تو انھیں یقیناً معلوم ہو گا کہ "مسند" کسے کہتے ہیں۔ "مسند" کہتے ہیں اس مجموعۂ حدیث کو جس کی ترتیب میں فقہی ابواب کی رعایت کئے بغیر صحابہؓ کی روایات انکی ترتیب کے لحاظ سے بیان کی جائیں۔ جیسے مسند امام احمد ابن حنبل اور پھر مسند کی اضافت ہر اُس صحابی کی طرف کر دی جاتی ہے جس کی روایات بیان ہوئی ہیں۔ جیسے مسند ابوبکرؓ یا مسند عمرؓ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ کسی ایسی کتاب کا ذکر ہے جسے حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ نے تصنیف کیا ہے۔

مسند احمدؒ ابن حنبل کا معاملہ یوں ہے کہ امام احمدؒ بیاض میں حدیثیں لکھتے رہتے تھے۔ انھیں بطور کتاب انھوں نے مرتب و مہذب نہیں کیا بلکہ یہ کام ان کے بیٹے عبداللہ نے کیا ہے اور اس مسند میں نہ صرف عبداللہ کے بہت سے اضافے ہیں بلکہ ابوبکر قطیعی کے بھی اضافے ہیں۔ اس طرح آج کی اصطلاح میں مسند امام احمد بھی امام احمدؒ کی تصنیف نہیں ہے۔

مسند امام شافعیؒ کا نام آپ نے سُنا ہو گا۔ اس کی شکل یہ ہے کہ یہ معروف معنوں میں امام شافعیؒ کی تصنیف نہیں بلکہ ان احادیث کا مجموعہ ہے جنھیں امام شافعیؒ اپنے شاگردوں کے آگے مع سند بیان کیا کرتے تھے۔ نیز ربیع بن سلیمان جو امام شافعیؒ کے براہِ راست شاگرد ہیں ان سے ابن یعقوب الاصم نے جو روایات سُن کر کتاب الاُمّ اور مبسوط کے ضمن میں جمع کی تھیں انھیں بھی اس میں جمع کر دیا گیا ہے اور اس مجموعے کا نام ہے "مسند امام شافعی"۔

اس سے ظاہر ہوا کہ جب اہلِ علم "مسند فلاں" بولتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ کتاب فلاں شخص کی تصنیف ہے بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس میں فلاں شخص کی مرویات جمع کی گئی ہیں۔ اندازہ فرمائیے کہ مسند امام احمدؒ ابن حنبل کے اندر اٹھارہ مُسند ہیں جب کہ عشرہ مبشرہ کی مرویات کو ایک ہی مسند کا نام دیا جائے ورنہ گنتی ۲۵ تک پہنچتی ہے اب جس حصے میں عبداللہ ابن عمرؓ کی روایات ہیں وہ مسند ابن عمرؓ کہلاتا ہے اور جس میں اہلِ بیتؓ کی روایات ہیں اسے "مسند اہلِ بیت" کہا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مسند ابن مسعودؓ اور مسند ابی ہریرہؓ اور مسند ابن عباسؓ وغیر ذلک۔

بس اسی طرح "مسند امام اعظمؒ" کا مطلب ہے کہ اس

کتاب میں امام اعظمؒ کی مرویات جمع کی گئی ہیں۔ نہ یہ کہ یہ کتاب امام اعظمؒ کی تصنیف ہے۔

اب آپ سمجھ لیجئے کہ مولانا مذکور نے کتنا صریح فریب دیا۔ انھیں معلوم تھا کہ عوام بیچارے "مُسند" کی اصطلاح کا مفہوم نہیں جانتے۔ وہ تو "مسند امام اعظم" کا مطلب یہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ امام اعظمؒ کی تصنیف ہے۔ لہٰذا انکی ناواقفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مولانا صاحب نے کہدیا کہ "یہ امام صاحبؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی اور شخص نے احادیث جمع کر کے امام صاحبؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔"

گویا انھوں نے یہ باور کرانا چاہا کہ احناف اس کتاب کو مصطلحہ اور معروف معنی میں امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف بتاتے ہیں۔ یہ ایک جھوٹی بات تھی جو انھوں نے احناف کی طرف منسوب کر دی اور پھر اس جھوٹ کا سہارا لیکر یہ باور کرانا آسان ہوگیا کہ جب احناف نے جھوٹ موٹ اسے ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے تو اس کے ساقط الاعتبار ہونے میں کیا شک ہے۔

کیا اس کا نام فریب کاری نہیں ہے ؟۔

اب مزید تفصیل سنئے۔ "مسند امام اعظم" صرف ایک نہیں ہے بلکہ کم و بیش بیس[2] ہیں۔ یعنی علمائے سلف میں کم و بیش بیس[2] ایسے محدث عالم گذرے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے طور پر امام ابوحنیفہؒ کی مرویات جمع کیں اور ان میں سے ہر ایک کی کتاب پر مسند امام اعظم یا "مسند ابوحنیفہ" کا اطلاق ہوتا ہے۔ قاضی القضاۃ محدث خوارزمی (متوفی ۶۵۵ھ) نے جامع مسانید الامام الاعظم کے نام سے کتاب مرتب کی ہے تنہا اس میں انھوں نے ۱۵ مُسند یکجا کر دیئے ہیں۔ آج کل کی طرح پہلے بھی ایسے بر خود غلط علماء کی کمی نہیں تھی جو از راہِ جہل یا از راہِ تعصب یہ کہتے تھے کہ ابوحنیفہؒ کی کوئی مُسند نہیں وہ تو صرف چند حدیثوں کے راوی تھے۔ محدّث خوارزمی نے انھی خوش فکروں کو آئینہ دکھانے کے لئے یہ مجموعۂ مسانید تیار کیا۔

مولانا نے تحقیر کے جس انداز میں یہ بات کہی ہے کہ، "کسی اور شخص نے احادیث جمع کر کے امام صاحبؒ کی طرف منسوب کر دی ہے۔" اسے بھی ہم افسوس ناک تعصب اور جسارت کے سوا کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ جو "مسند امام اعظم" اُردو میں چھپی ہے اس کا حال ہم سے سُنیئے۔ یہ ماوراء النہر کے بلند پایہ حافظ الحدیث محمد بن یعقوب الحارثی کی تصنیف (جمع کردہ) ہے۔ ان کی وفات ۳۴۰ھ میں ہوئی ہے۔ یہ اُن اونچے درجے کے علماء میں تھے جن کا تذکرہ جرح و تعدیل کے امام حافظ ذہبیؒ اپنی تذکرۃ الحفاظ میں بایں الفاظ کرتے ہیں :۔

"محدث۔ امام۔ علامہ۔ "الاستاذ" کے لقب سے ملقّب۔" (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ترجمہ قاسم بن اصبغ)

حافظ ابن حجرؒ، جو حنفی نہیں بلکہ شافعی ہیں وہ بھی انھیں "حافظِ حدیث" تسلیم کرتے ہیں (تعجیل المنفعۃ ص۴) اور ان کی مسند کا ذکر انھوں نے لسان المیزان میں بھی کیا ہے۔

اپنے دَور میں ان کی حیثیت ثقہ استادِ حدیث کی تھی ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے حفّاظِ حدیث کے اسماءِ گرامی ملتے ہیں مثلاً حافظ ابوبکر جعانی، حافظ ابن مندہ، حافظ ابن عقدہ۔

پھر یہ نہیں کہ انھوں نے اپنی کتاب میں یہ نہ بتایا ہو کہ ابوحنیفہؒ کی روایات مجھ تک کیسے پہنچیں۔ ان کی اصل کتاب میں ہر روایت کی مکمل سند موجود ہے لیکن اُردو میں جو نسخہ شائع ہوا ہے اس میں یہ درمیانی سندیں آپ کو نہیں ملیں گی جس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ قاضی صدر الدین الحصکفی (متوفی ۶۵۰ھ) نے اس مُسند کا اختصار بایں طور کیا تھا کہ امام حارثیؒ سے لیکر امام ابوحنیفہؒ تک کی درمیانی سندیں حذف کر دیں۔ اسی اختصار کو ملّا محمد عابد سندھی (متوفی ۱۲۵۷ھ) نے فقہی ابواب پر مرتب کیا[1]۔ اور اسی کا اُردو ترجمہ آجکل شائع ہے،

---

[1] گویا اصل مُسند تو مُعجم کے طور پر مرتب تھا یعنی امام ابوحنیفہؒ کے ہر شیخ کی روایتیں الگ الگ دی گئیں تھیں اور فقہی ترتیب کا لحاظ نہیں تھا۔ مُلّا سندھی نے فقہی ابواب کے لحاظ سے روایات کو آگے پیچھے کر دیا تاکہ مسائل فقہ میں اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔

اس تفصیل سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا مذکور نے مسند امام اعظم پر جو اظہار خیال کیا وہ کس قدر غلط در غلط ہے۔

رہا اہلِ حدیث دوستوں کا یہ خیال کہ امام ابوحنیفہؒ "محدث" نہیں تھے تو یہ ان کی ناواقفیت اور جانبداری کا نتیجہ ہے ورنہ امام صاحبؒ کا پایہ علم حدیث میں بفضلہ تعالیٰ کسی بڑے سے بڑے محدّث سے کم نہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے بلند پایہ محدثین پر اللہ کی رحمتیں ہوں ان کی عظمت میں ہرگز کوئی کلام نہیں اور ہم ان کے اوصافِ حمیدہ کے آگے بلا تکلف سرِ نیاز خم کرتے ہیں لیکن ان میں اور امام ابو حنیفہؒ میں کم و بیش ایسا ہی فرق ہے جیسے ایک شخص تو زیادہ سے زیادہ جد و جہد اس بات کی کرے کہ اس کی دکان میں بہتر سے بہتر دوائیں کثیر تعداد میں جمع ہوں اور دوسرا شخص زیادہ سے زیادہ توجہ اس بات پر دے کہ جو اچھی دوائیں میسر ہیں انکا عمدہ سے عمدہ استعمال ہو اور ہر مرض کے لئے مؤثر ترین نسخہ تجویز کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اول الذکر کے یہاں دواؤں کا انبار زیادہ ہوگا اور حکمت و طبابت کے لطائف و دقائق کے لئے اسے زیادہ وقت نہ مل سکے گا لیکن مؤخر الذکر کے یہاں حکمت و طبابت کی واقفیت زیادہ ہوگی اور دواؤں کا انبار نسبتاً کم۔ اعلیٰ درجے کے ذہین اور طبّاع حکماء کا اسلوب یہ رہا ہے کہ گنی چنی جڑی بوٹیوں کی ترتیب، ترکیب اور اوزان کے تغیر و تبدل سے وہ بے شمار امراض کا علاج کرتے رہے ہیں۔

ٹھیک ایسا ہی معاملہ امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ احادیث کی گنتی میں خواہ وہ بخاری و مسلم سے کم ہوں مگر احادیث سے شریعت کے اصول و فروع اخذ کرنے میں وہ تمام محدثین سے بہت آگے اور اسرارِ دین کے سمندر کی غواصی میں بہت تیز طرار ہیں۔ ان کی فقاہت کا مقابلہ کسی کے بس کا نہیں۔ اور فقاہت ہی وہ چیز ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (اور جس کو سمجھ ملی اسے بڑی خوبی ملی) حکمت اور تفقہ ایک ہی مفہوم کے دو لفظ اور ایک ہی منشاء کی دو تعبیریں ہیں۔

ویسے یہ بھی ذہن نشین فرما لیجئے کہ امام صاحبؒ کے بارے میں "قلتِ حدیث" کا شہرہ محض پروپیگنڈہ ہی ہے ورنہ ان کی مرویات کی گنتی چار ہزار تک پہنچتی ہے۔ سنا آپ نے چار ہزار حدیثیں۔

صدر الائمہ موفق بن احمد مکّی مناقب الامام الاعظم میں امام حسن بن زیادؒ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:-

"امام ابوحنیفہؒ کی روایت کردہ حدیثیں چار ہزار ہیں۔ دو ہزار ان کے شیخ حمّاد سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔" (جلد ۱ صفحہ ۹۶)

محدّث خوارزمی کی جامع المسانید اگرچہ تمام مرویات کا احاطہ کرنے میں ناقص ہے لیکن پھر بھی امام صاحبؒ کی کثرتِ حدیث کا مُنھ بولتا ثبوت ہے۔

امام شعبیؒ بڑے زبردست محدّث گذرے ہیں — اونچے پائے کے تابعی ہیں۔ انھوں نے ۱۴ سالہ ابوحنیفہؒ کی عظیم خداداد صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے مشورہ دیا کہ علمِ شریعت حاصل کرو۔ یہ ۹۴ھ کا واقعہ ہے ۹۶ھ میں امام صاحبؒ پہلے حج کو گئے۔ وہاں صحابی رسول عبد اللہ بن حارثؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد سنا:-

"اللہ کے دین میں جو شخص فقاہت (سمجھ بوجھ) حاصل کرے اس کے ہر رنج و غم میں اللہ کافی ہے اور اسے ایسے راستوں سے رزق دے گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔" (جامع بیان العلم - لابن عبد البرؒ)

اس حدیث نے سمندِ شوق پر تازیانے کا کام کیا اور آپ علمِ حدیث کی تحصیل پر متوجہ ہو گئے۔ سنہ ۹۸ اور ۹۹ھ ہی میں آپ نے طلب حدیث کی راہ پر قدم بڑھایا لیکن سنہ ۱۰۰ھ سے تو باقاعدہ تمام وقت اسی میں لگانے لگے اور سنہ ۱۰۲ھ تک ہمہ تن لگے رہے۔ ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ شعبیؒ کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ "وہ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے استاد تھے۔" (جلد ۱ صفحہ ۷۵) امام شعبی نہ فقیہ تھے نہ متکلم، نہ مجتہد، نہ مُتقِن۔ ان کے بارے میں ایک طرف

امام زہریؒ کا یہ بیان پڑھیئے کہ:-

"علماء چار ہیں۔ مدینے میں سعیدؒ کوفہ میں شعبیؒ بصرہ میں حسنؒ اور شام میں مکحولؒ"

لیکن دوسری طرف امام عبداللہ بن عونؒ کا یہ ارشاد ملاحظہ کیجئے کہ

"جب کوئی فتویٰ دینے کا موقع آجاتا تو امام شعبیؒ کو انقباض ہوتا"

خود امام شعبیؒ فرماتے ہیں:-

"ہم فقہاء میں سے نہیں ہیں۔ ہم تو بس حدیث سنتے ہیں اور فقہاء کی طرف بڑھا دیتے ہیں" (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے شاگرد بنکر ان سے صرف علمِ حدیث سیکھا، اور کیسا سیکھا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مسعر بن کدام فرماتے ہیں:-

"میں ابوحنیفہ کا ہم درس تھا۔ وہ جب علم حدیث کے طالب علم بنے تو حدیث میں بھی ہم سے آگے نکل گئے یہی حال زہد و تقویٰ کا تھا اور فقہ کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ تو تمہارے سامنے ہے ہی" (مناقب ذہبی ص ۲۷)

اور یہ مسعر بن کدام علم حدیث میں کیا پایہ رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں نقل کرتے ہیں کہ امام شعبہؒ اور سفیان ثوریؒ میں جب کسی حدیث کے متعلق اختلاف ہوتا تو دونوں ہی یہ کہتے کہ چلو ہم دونوں مسعر بن کدام کے پاس چلیں جو علم حدیث کی ترازو ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۹)

امام شعبہ اور سفیان ثوری دونوں حضرات امیر المومنین فی الحدیث کہلائے جاتے ہیں۔ یہ جس مسعر بن کدام کے بارے میں ایسا خیال رکھتے ہوں اسکا مقام علم حدیث میں محتاج بیان نہیں۔ پھر مسعر یہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ علم حدیث میں بھی ہم سے آگے نکل گئے تو سمجھ لیجئے کہ ابوحنیفہؒ کا حال علم حدیث میں کیا ہوگا۔

حافظ سمعانیؒ اپنی کتاب الانساب میں (صفحہ ۱۹۶ پر) کہتے ہیں کہ "ابوحنیفہؒ جب طلب علم میں مشغول ہوئے اور آگے قدم بڑھایا تو وہ کچھ حاصل کرلے گئے جو کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا"

امام الحدیث عبداللہ بن یزید جب ابوحنیفہؒ سے کوئی روایت بیان کرتے تو کہتے کہ ہم سے شاہانِ حدیث کے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

جرح و تعدیل کے مشہور امام یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! ابوحنیفہؒ اس امت میں اُس چیز کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے جو اللہ اور رسولؐ کی طرف سے آئی ہے۔

یہ چند اقوالِ سلف ہم نے قلم برداشتہ نقل کر دیئے ہیں ورنہ اس باب میں ایک ضخیم مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ متذکرہ مولوی صاحب نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ "ان مدعیانِ حدیث کو چاہیئے کہ اس میدان کو تو اس کے شہسواروں کے لئے ہی چھوڑ دیں"

تو یہ قصور ان کا نہیں بلکہ ان کی لاعلمی اور قلتِ مطالعہ کا ہے۔ افسوس ہے کہ اہلِ حدیث دوستوں کے مدارس میں طلباء کا ایک ایسا ذہن بنایا جاتا ہے جو نفسِ تقلید کا دشمن تو ہوتا ہی ہے مگر احناف سے اسے خصوصی بیر ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بےلاگ تحقیق سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔

ہم اُن مقلدین میں ہیں جو فقہ حنفی کی پیروی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہوئے بھی یہ رائے نہیں رکھتے کہ اہل حدیث حضرات گمراہ ہیں۔ "گمراہی" کا لفظ بہت سخت ہے ہم بس اتنا سمجھتے ہیں کہ ان حضرات کو غلط فہمی ہوگئی ہے۔ لیکن جب اس غلط فہمی کی رو میں انھیں احناف کی تحقیر و تضحیک کرتے دیکھتے ہیں تو دلی رنج ہوتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین و شریعت کے تمام مکاتبِ فکر کو اپنے اپنے افکار و آراء کی تبلیغ جارحیت سے بچ کر کرنی چاہیئے تاکہ امت میں تفرقہ نہ پھیلے اور ہر مکتبِ فکر دوسرے مکتبِ فکر کا حریف نہ بنے۔

تفہیم البخاری یا انوار الباری یا اور کوئی کتاب جیسی بھی ہے اسے پڑھ کر قارئین خود کسی فیصلے پر پہنچیں۔ ہم کس کس مسئلے میں اُلجھتے پھریں گے البتہ یہ بڑی دلچسپ "تبلیغ" ہے کہ لوگ رسالہ نور الایمان کے خریدار بنیں۔ ان مولوی صاحب سے دریافت کیجئے کہ مولانا مودودی کے افکار و خیالات کی صحت اور حقانیت کا علم حاصل کرنے کے لئے کیا وہ تجلّی کے بھی خریدار بن گئے ہیں اور کیا دیگر اہلِ حدیث حضرات تجلّی خرید رہے ہیں؟

عامر عثمانی

امارتؒ وصحابیتؐ بجواب خلافتؒ وملوکیتؐ

کسی خشک موضوع پر بار بار خامہ فرسائی سے خود ہمیں کوفت ہوتی ہے پھر قارئین کو کیوں نہ ہوگی لیکن فرض کی ادائگی وہ چیز ہے جس کے لئے بعض اوقات کوفت بھی قبول کرنی ہی پڑتی ہے۔

خلافت وملوکیت کے رد میں لکھی ہوئی کتاب "امارت وصحابیت" پر کچھ لکھنے کا اعلان ہم پچھلی اشاعت میں کر چکے ہیں لہٰذا اس اعلان کو نبھانے کی خاطر تھوڑے سے اوراق سیاہ کرنے ہی پڑیں گے۔ "نبھانے" کا لفظ ہم نے اس لئے بولا کہ فی الحقیقت یہ کتاب اس درجے کی ہے ہی نہیں کہ سنجیدہ علمی توجّہ کی مستحق ہو۔ لیکن آفت یہ ہے کہ عوام کم علم ہیں اور اس کتاب میں بڑی بڑی کتابوں کے حوالوں سے خلافت وملوکیت پر چاندماری کی گئی ہے۔ اب عوام کو کیا معلوم کہ اِن حوالوں کی حقیقت کیا ہے اور محترم مصنف نے علم کے نام پر خیانت اور بددیانتی کے کیا گل کھلائے ہیں۔

ویسے "شواہدِ تقدس" کے مفصّل ومدلّل جائزے کے بعد تو عام سے عام قاری بھی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ محض یک طرفہ بات سُن کر کبھی رعب میں نہیں آنا چاہئیے خواہ یہ بات بظاہر کتنی ہی سجا بنا کر پیش کی گئی ہو۔ آپ نے دیکھا کہ مولانا محمد میاں صاحب نے شواہدِ تقدس میں کتنی بلند آہنگی اور طمطراق کے ساتھ مولانا مودودی کو ملزم قرار دیا تھا حتٰی کہ ان پر خیانت، فریب دہی اور کم عقلی تک کے اتہامات رکھنے میں تکلف نہیں فرمایا مگر جب ہم نے علم وتحقیق کی سطح پر ان کے فرمودات کا جائزہ لیا تو آپ نے یہ بھی دیکھا کہ قصوروار مولانا مودودی نہیں ہیں خود الزام دینے والے بزرگ ہیں۔ خیانت و فریب کاری کا ارتکاب "خلافت وملوکیت" میں نہیں کیا گیا ہے بلکہ "شواہدِ تقدس" ہی اِن اوصافِ رذیلہ کا شاہکار ہے۔

ٹھیک یہی عالم "امارت وصحابیت" کا بھی ہے لیکن ہم بہت زیادہ بسط میں نہیں جائیں گے بلکہ صرف چند نمونے دکھا کر نقد ختم کر دیں گے تاکہ ہمارے عام بھائی ان نمونوں پر باقی کتاب کو قیاس کر لیں۔

"امارت وصحابیت" کے مصنف ہیں "حضرت مولانا علی احمد صاحب بنارسی"۔ وہ مسلک کے اعتبار سے اُن لوگوں میں ہیں جو یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھتے ہیں چنانچہ کتاب کی عین لوح پر ہی "امیر یزید" کا نام "رح" کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

کمال یہ ہے کہ حضرت موصوف نے اپنی کتاب کا آغاز پاکستان کے اُس الیکشن سے کیا ہے جس میں جماعت اسلامی پاکستان نے ایوب خاں کے مقابلے میں مس فاطمہ جناح کی تائید کی تھی۔ گویا مقصود صرف "خلافت وملوکیت" ہی کا رد نہیں بلکہ مولانا مودودی کو ہر رُخ سے مجروح کرنا ہے۔

ہم تجلّی میں اس موضوع پر اتنا کچھ لکھ چکے ہیں کہ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مس فاطمہ جناح کو شکست دینے کے لئے "عورت کی سربراہی" کا شوشہ ایوب خاں نے چند سرکاری

درباری مولویوں کے ذریعے چھڑوایا تھا اور پھر اس کے چکر میں بعض مخلص علماء بھی آ گئے۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام ابن حنبلؒ اور امام ابنِ تیمیہؒ جیسے اساطین کے خلاف اُن کے زمانوں میں بعض کم فہم اور فریب خوردہ علماء نے جب بعض اعتراضات اُٹھائے تو بہت سے وہ اہلِ حق بھی مغالطہ کھا گئے جو حقیقتاً نیک نیت اور مخلص تھے۔ متعلقہ کتابوں میں آج تک یہ کہانیاں محفوظ ہیں۔ عبرت کیجئے کہ امام بخاریؒ اور امام نسائیؒ جیسے حضرات امام ابوحنیفہؒ کو حدیث کے باب میں "ضعیف" کہتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سونے کو پیتل اور چاندی کو رانگ کہہ دیا جائے۔ لیکن غلط فہمیاں اور مغالطے اچھے اچھے سمجھداروں کو بہکا دیتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح مس فاطمہ جناح کی تائید کا مسئلہ تھا کہ علم و تحقیق اور عقل و دراست کے لحاظ سے اس پر حرف گیری اور انگشت نمائی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ مگر سیاست کی بازیگری نے حدیثِ رسولؐ کو اسی طرح غلط محل میں ناپاک مقاصد کے تحت استعمال کیا جس طرح خوارج آیتِ قرآنی کو حضرت علیؓ کی توہین و تکفیر کے لئے استعمال کرتے تھے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جب دو برائیوں میں سے ایک ناگزیر ہو تو عقل کا کھلا تقاضا یہ ہے اور اسلام بھی اسی کی تعلیم دیتا ہے کہ چھوٹی برائی کو منتخب کر لو۔ بڑی سے بچ جاؤ۔ پاکستانی الیکشن میں مقابلہ ایک عورت اور ایک خلیفۂ صالح کا نہ تھا بلکہ آمریت اور جمہوریت کا تھا۔ فاطمہ جناح تو صرف ایک نشان تھیں جمہوریت کا۔ ایک علامت۔ اور ایوب خاں مطلق العنانی کا عنوانِ جلی تھے۔ وہ مطلق العنانی جس نے تمام علماء کی چیخ پکار کو نظر انداز کر کے بالجبر اسلامی پرسنل لا میں من مانی تحریفات کی تھیں اور قرآن و سنت کے متعدد قوانین پر خطِ تنسیخ پھیرا تھا۔ جماعتِ اسلامی پاکستان کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ یا تو آمریت کے دوبارہ مقتدر ہونے کی حمایت کرے یا جمہوریت کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالے۔ ایک عورت کا سربراہِ حکومت ہونا بلا شبہ اسلامی آئین کی رو سے پسندیدہ شے نہیں ہے۔ جس کا جی چاہے اسے گناہ کہہ لے مگر ایک مستبد، جابر اور قرآن و سنت سے نابلد حاکم کا تختِ اقتدار پر متمکن رہنا ظاہر ہے کہ اس سے کہیں بڑھ کر قبیح اور ضرر رساں تھا۔ لہٰذا جماعت نے چھوٹی برائی کو منتخب کیا اور بڑی برائی سے لڑائی لڑی۔

قرآن کہتا ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (اس چیز کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمھیں علم نہ ہو) ہمیں حیرت ہے کہ جو مولانا بنارسی پاکستانی سیاست کی ابجد تک سے واقف نہیں وہ کس بے تکلفی سے ایوب خاں اور فاطمہ جناح کے الیکشن پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں۔ یہی ایک بات اہلِ عقل کو یہ تأثر دینے کے لئے کافی ہے کہ مولانا موصوف کی عقل اور احساسِ ذمہ داری کا حال کیا ہے۔

اس موضوع پر مزید کچھ کہتے ہوئے ہمیں انقباض ہوتا ہے لہٰذا اصل بحث کی طرف آتے ہیں۔

نقل و انتساب کی خیانت

صفحہ ۳۵ و ۳۶ پر مولانا نے متعدد حوالوں سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضرت معاویہؓ صحابی تھے۔ ہمیں نہیں معلوم اس خامہ فرسائی سے انھوں نے کیا حاصل کیا۔ کیا مولانا مودودی نے حضرت معاویہؓ کی صحابیت سے انکار کیا تھا؟ — اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو "خلافت و ملوکیت" پر تنقید میں وس اضاعتِ وقت سے حاصل؟ مولانا محمد میاں صاحب کی طرح انھوں نے بھی غیر ضروری باتوں کے لئے کتابوں کے حوالے اور اقتباسات دے کر نفسِ بحث کو الجھاوے میں ڈالا ہے۔ مثلاً آپ نے بخاری کا حوالہ اس بات کے لئے دیا کہ حضرت معاویہؓ نے خود اپنے صحابی ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ یا مثلاً صحیح مسلم کا حوالہ یہ بتانے کے لئے دیا کہ حضورؐ نے حضرت معاویہؓ کو اپنا کاتب بنایا تھا۔ بھلا کیا حاصل ہوا اس طولِ کلامی سے جبکہ مولانا مودودی نہ تو حضرت معاویہؓ کی صحابیت کے منکر ہیں نہ کاتبِ وحی ہونے کے۔

ہمارا خیال ہے کہ مولانا نے جگہ جگہ متفق علیہ اور مسلّم

امور کو زیب قرطاس اس لئے کیا ہے تاکہ اس طرح وہ قارئین کو اپنی صداقت پر مطمئن کر دیں اور پھر اسی طول کلامی کے درمیان کچھ غلط باتیں بھی ان کے دماغ میں اُتار دیں۔ مثلاً یہیں دیکھئے

جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ رضؓ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ یعنی وہ "طلقاء" میں سے تھے۔ ہم خلافت و ملوکیت نمبر حصہ اول میں صفحہ ۸۳ سے ۸۶ تک "طلقاء" کی بحث کر چکے ہیں۔ اسے پھر سے ملاحظہ کر لیجئے اس میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے اپنی ازالۃ الخفاء میں جو روایت نقل کی ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضؓ کا "طلقاء" میں سے ہونا امر مسلّم تھا۔ گویا خود صحابہ رضؓ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت معاویہ رضؓ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن مولانا بنارسی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ طلقاء میں سے نہیں تھے بلکہ فتح مکہ سے قبل ایمان لا چکے تھے۔

بات اگر یہیں تک رہتی تو ہم صرف یہ کہہ سکتے تھے کہ بعض اور علماء کی طرح مولانا بنارسی بھی علمی دھوکا کھا گئے ہیں بلا شبہ کچھ غیر معتبر روایات ایسی موجود ہیں جن سے بعض اہل علم یہ سمجھے ہیں کہ حضرت معاویہ رضؓ پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اگر جمہور علماء کو چھوڑ کر کوئی شخص ان معدودے چند اہلِ علم کے خیال کو قوی سمجھے تو یہ بد دیانتی نہ ہوگی بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک علمی و فکری قصور ہوگا۔

مگر مولانا موصوف اسی قصور کی حد تک نہیں رہ گئے بلکہ انھوں نے دیدہ دانستہ خیانت اور فریب دہی کا بھی ارتکاب کر ڈالا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں۔

"اصابہ میں ہے انه اسلم بعد الحدیبیة وکتم اسلامه حتیٰ اظهره (ص ۱۱۲ ج ۲) یعنی حضرت معاویہ رضؓ حدیبیہ ۶ھ کے بعد ایمان لے آئے اور پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ ظاہر کیا۔ مزید تشفی کے لئے ملاحظہ ہو اصابہ ص ۴۳۲ جلد ۳"۔ (یہ ہے مولانا کا ارشاد)

اب دیکھئے۔ اصابہ حافظ ابن حجر رح کی کتاب ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مولانا بنارسی اپنے قارئین کو یہ بتا رہے ہیں کہ حافظ ابن حجر رح بھی حضرت معاویہ رضؓ کو ان لوگوں میں نہیں سمجھتے جو فتح مکہ کے موقعہ پر ایمان لائے بلکہ انکے نزدیک وہ فتح مکہ سے قبل صلح حدیبیہ کے عین بعد ہی ایمان لا چکے ہیں۔ قارئین کو اسی کا یقین دلانے کے لئے انھوں نے اصابہ جلد ثالث اور اصابہ جلد ۲ کے حوالے عطا فرمائے۔

لیکن ہم سے سنئے کہ وہ کس قسم کی افسوسناک خیانت اور فریب دہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ سے جو عربی عبارت انھوں نے نقل کی اس سے قبل کا یہ فقرہ انھوں نے چھپایا کہ وحکی الواقدی۔ یعنی حضرت معاویہ رضؓ کے فتح مکہ سے قبل ایمان لانے کی جو بات انھوں نے اصابہ کے مصنف ابن حجر رح سے منسوب کی ہے وہ حقیقت میں ابن حجر کی بات نہیں ہے بلکہ ابن حجر یہ فرما رہے ہیں کہ ایسا واقدی نے بیان کیا۔

پھر "مزید تشفی" کے لئے مولانا نے اصابہ کی جلد ۳ کا جو حوالہ دیا وہاں بھی ٹھیک یہی صورتِ حال ہے کہ ابن حجر واقدی کا قول نقل کر رہے ہیں۔

مزید سنئے کہ یہ قول نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رح اس کی تردید بایں طور کرتے ہیں کہ وهذا یعارضه ما ثبت بالصحیح عن سعد ابن ابی وقاص (اور حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کی اُس روایت سے جو سندِ صحیح ثابت ہے واقدی کا یہ قول رد ہو جاتا ہے) پھر ابنِ حجر نے وہ صحیح روایت بیان کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ عُمرۃ القضاء کے وقت بھی کافر ہی تھے جو صلح حدیبیہ سے ایک سال بعد ۷ھ میں ہوا ہے۔

نیز ان دو مقامات کے علاوہ حافظ ابن حجر رح کی رائے ان کی شہرۂ آفاق کتاب تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۷ میں بھی درج ہے کہ معاویة بن ابی سفیان اسلم یوم الفتح (ابوسفیان کے بیٹے معاویہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے) رہی قبل فتح ایمان لانے کی روایت تو اس کیلئے

انھوں نے یہ الفاظ لکھے ہیں وقیل قبل ذلک (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے)
مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ قیل کہہ کر قولِ ضعیف کو بیان کیا جاتا ہے۔
اب اہلِ انصاف فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ بددیانتی اور دھوکا دہی نہیں ہے کہ اصابہ کے مصنف ابن حجرؒ کی اپنی رائے تو مولانا نے غائب کردی اور واقدی کی اس رائے کو ابن حجرؒ سے منسوب کر دیا جس کی تردید یہ خود ابن حجر ایک روایتِ صحیح کے ذریعے فرما رہے ہیں۔ یہ تم دبش ایسا ہی ہے جیسے کوئی فتنہ گر قرآن سے ایک آیت نقل کرے جس میں اللہ تعالیٰ نے کسی اور کا (مثلاً شیطان یا فرعون یا نمرود یا مشرکین کا) قول نقل کیا ہو مگر یہ شخص قائل کا نام حذف کر کے اس قول کو اللہ سے منسوب کر دے۔
دوسرا لطیفہ یہ سُنئے کہ مولانا نے صفحہ ۲۷ پر خود ہی واقدی کو جھوٹا اور قطعاً ناقابلِ اعتبار تحریر فرمایا ہے۔ اب اگر ان میں ذرا بھی دیانت ہوتی تو اپنے دعوے اور خیال کے مطابق واقدی کے اس بیان کو بھی ناقابل اعتبار سمجھتے جو حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔ خصوصاً جب حافظ صاحب ایک روایتِ صحیحہ بھی اس کی تردید میں پیش کر رہے ہیں لیکن سچائی، انصاف اور علمی متانت کا تصور ہی جس شریف آدمی کے دماغ میں نہ ہو وہ کیوں علمی دیانت اور عدل کا پاس کریگا مولانا مودودی کی زبان پر اگر واقدی کا نام آجائے تو دفعتاً وظیفہ شروع کر دیا جاتا ہے کہ واقدی جھوٹا ہے۔ غیر ثقہ ہے۔ وضّاع ہے۔ مگر اپنے کسی خیال کے ثبوت میں بلا تکلف واقدی کا بیان نقل کر دیا جاتا ہے۔
خیر واقدی کا نام لے کر نقل کرتے تو کوئی تاویلِ حَسَن بھی کر لی جاتی مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ وَحَکَی الواقدی کے الفاظ حذف کر دیئے گئے، اور جو بات واقدی نے کہی تھی اسے ابن حجر کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ اہلِ انصاف فیصلہ فرمائیں کہ یہ کھلی بددیانتی اور دغا بازی کے سوا کیا ہے۔ اور جو مولانا صاحب اس طرح کی شرمناک حرکت کے مرتکب ہوں کیا ان کی کتاب کے کسی بھی مضمون کے بارے میں اطمینان کیا جاسکتا ہے کہ اسمیں جو کچھ کہا گیا ہے وہ فریب و دجل سے خالی ہوگا۔
خیانتِ نقل سے ہٹ کر اس پر بھی غور کیا جائے کہ اگر یہ بات واقعتہً بھی پیش آئی ہوتی کہ معاویہؓ قبل فتح مسلمان ہو گئے مگر اپنے اسلام کو چھپائے رہے اور فتح مکہ کے موقعہ پر ظاہر کیا تو آخر واقدی کو کم و بیش دو سو سال بعد اس راز کا کیسے پتہ چل گیا۔ ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جو واقدی کا نام سنتے ہی تالی پیٹ دیں کہ روایت جھوٹی ہے۔ لیکن یہ روایت تو صریحاً خلافِ عقل ہے۔ جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ جو ایمان حضرت معاویہؓ نے فتح مکہ تک اپنے قلب میں چھپائے رکھا تھا اس کا سراغ تقریباً دو سو سال بعد واقدی کو کیسے چلا، اس وقت تک اس روایت کو شمہ برابر اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ مگر واہ رے ردِّ مودودی کا جوش۔ مودودی کو منگو بنانے کے لئے تو واقدی غریب کو کذّاب اور وضّاع سب کچھ بلا تکلف کہا جائے مگر اپنی مطلب براری کے لئے واقدی کی ایسی روایات سے بھی حجت پکڑی جائے جو نہ تو کسی متصل سند سے آئی ہوں نہ عقلاً اور درایتاً لائقِ قبول ہوں۔

جہل اور مغالطہ انگیزی

جب سے مولانا مودودی کی "خلافت و ملوکیت" شائع ہوئی ہے یہ انتہائی المناک اور فتنہ پرور کھیل بڑی دیدہ دلیری سے کھیلا جارہا ہے کہ عالم اور نیم عالم قسم کے حضرات اُٹھتے ہیں اور تاریخ اسلام کی اُن رفیع الشان کتابوں کو ناقابلِ اعتبار قرار دینا شروع کر دیتے ہیں جن کی رفعت و عظمت صدیوں سے اہلِ اسلام میں مسلّم ہے جنھیں علمائے اسلام عرصے سے تاریخ اسلام کے مصادر و مآخذ کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ جن کے پایۂ ثقاہت پر نقد و تنقیح کے بعد اساطین فن نے مہرِ تصدیق لگا دی ہے۔ جن کے مصنفین امتِ مسلمہ کے مایۂ ناز ائمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ابن سعد، یہ

ابن جریر طبریؒ، یہ ابن اثیرؒ، یہ ابن خلدونؒ، یہ ابن عبد البرؒ، یہ ابن کثیرؒ، یہ ابن حجرؒ، یہ حافظ ذہبیؒ، کیا انکی عظمت، مرتبت، علمیت اور ماہرانہ حیثیت میں اہلِ علم کے کسی قابلِ لحاظ طبقے کو کلام ہے اور کیا ان کی جلیل القدر کتابیں امتِ مسلمہ کا سرمایۂ جاں نہیں ہیں۔

مگر افسوس کہ بہتیرے کم عیار، کم فہم اور کم استعداد حضرات ہی نہیں بلکہ شیخ الحدیث قسم کے لوگ بھی "خلافت و ملوکیت" کے رد میں ان تمام اکابر اور ان کی مہتم بالشان کتابوں کے ساتھ وہ سلوک کر رہے ہیں کہ مستشرقین اور یہود و نصاریٰ کے علماء بھی بمشکل ہی سے اس کی جرأت کر سکتے ہیں۔

"شواہدِ تقدس" میں آپ اس کے نمونے بافراط دیکھ چکے۔ "تجدیدِ سبائیت" کا بھی یہی حال ہے اور "امامت و صحابیت" کے مصنف بھی یہی کھیل کھیل رہے ہیں۔

چند نمونے پیشِ خدمت ہیں:۔

الرّیاض النّضرہ

اس کتاب کا نام آپ "جائزے" میں پڑھ چکے ہیں۔ اس کا پورا نام ہے الرّیاض النضرہ فی مناقب العشرہ۔ اس میں اُن دس بلند پایہ صحابہؓ کے محاسن و مناقب بیان کئے گئے ہیں جنھیں اللہ کے رسولؐ نے جنت کی بشارت دی تھی۔ اس کے مصنف ساتویں صدی کے ایک معروف نیکنام عالم محب الدین طبریؒ ہیں جو اور بھی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور علمائے سلف و خلف میں انھیں کافی احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

ان کے تعارف میں جرح و تعدیل کے امام حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

"امام۔ محدث۔ مفتی۔ فقیہِ حرم۔ محب الدین ابو العباس احمد بن عبد اللہ بن محمد۔" مزید وہ لکھتے ہیں:۔

"کان اماماً صالحاً زاھداً کبیر الشان۔" (جلد ۴)

ظاہر بات ہے کہ صدیوں پیشتر کے کسی بزرگ کا مرتبہ و مقام اسی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم ماہرینِ فن حضرات کی رائے پر اعتماد کریں۔ حافظ ذہبیؒ جیسے شہرۂ آفاق ماہرِ فن کا اپنی "تذکرۃ الحفاظ" میں کسی شخصیت کا ذکر کرنا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شخصیت ممتاز شخصیتوں کے زمرے میں ہے۔ پھر وہ اس شخصیت کے زہد، علوئے شان، امامتِ علمی اور حدیث و افتاء میں عبور کی تصدیق بھی کریں تو اس سے بڑھ کر توثیق و تحسین اور کیا ہوگی۔

اور یہی نہیں۔ ابو الفلاح عبد الحی (متوفی ۱۰۸۹ھ) اپنی مشہور زمانہ کتاب شذرات الذھب میں فرماتے ہیں

"محبّ الطبری نے کثیر لوگوں سے حدیث و فقہ کی سماعت کی۔ فتوے دیئے۔ مسندِ درس سجائی۔ فقاہت کا ثبوت دیا اور احکامِ دینیہ کی غایت پر ایک مبسوط کتاب لکھی جو چھ جلدوں میں ہے۔ نیز ان کی اور بھی بہت سی تصانیف ہیں جو انتہائی عمدہ ہیں۔ جیسے الریاض النضرہ اور ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ اور السمط الثمین فی مناقب امّہات المومنین وغیرہا۔" (جلد ۵ صفحہ ۴۲۵ و ۴۲۶)

ان کتابوں کے ناموں ہی سے ہر شخص اندازہ فرما سکتا ہے کہ محب الطبری کو صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ اور حضورؐ کے رشتہ داروں سے کیسا دلی تعلق اور ان کے ذکر و بیان سے کیسا شغف تھا۔

مولانا مودودی نے "خلافت و ملوکیت" میں غالباً صرف ایک مقام (ص ۳۳۳) پر ان بزرگ کی کتاب الریاض النضرہ سے خود ان کا نہیں بلکہ مشہور تابعی اور شیخ حضرت سعید بن المسیّبؒ کا ایک ارشاد نقل کر دیا ہے یہ ارشاد اُس رائے اور موقف کی تائید میں ہے جو مولانا مودودی نے اختیار کیا ہے اور جس کی تائید امام زہری، ابنِ جریر، ابنِ اثیر، ابن خلدون، ابنِ کثیر، ابن سعد، ابنِ حجر، اور مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب کر رہے ہیں۔

اب چونکہ "خلافت و ملوکیت" کے "ناقدین" نے طے کر رکھا ہے کہ اس کتاب کو غلط ثابت کرنے کے لئے کسی بھی

سلفِ صالح اور مفسر و محدّث اور مؤرخ و فقیہ کی پگڑی اچھالے بغیر نہیں رہیں گے لہٰذا یہ کام مولانا بنارسی کیوں نہ کرتے۔ فرمایا جاتا ہے:۔

"ریاض النضرہ کے مصنف محب الدین طبری ہیں
جن کو حافظ عسقلانی نے صواعقِ محرقہ میں فرمایا ہے
انہ کثیر الوھم" (امارت وصحابیت ص۲۹)

گویا صرف اس قصور پر کہ محب الطبری کی کتاب سے مولانا مودودی کو اپنے موقف کی تائید میں ایک قول کیوں ملا یہ ضروری سمجھا گیا کہ محب الطبری پر کچھ نہ کچھ کیچڑ اچھالی جائے۔ چنانچہ یہ منقولہ عبارت زیبِ قرطاس کی گئی اور سمجھ لیا گیا کہ اتنی ہی عبارت سے محب الطبری کا کام تمام ہوگیا۔

اب ہم آپ کو اس کا تجزیہ کر کے دکھاتے ہیں۔

یہ بات تو ایک عام قاری بھی دیکھ سکتا ہے کہ مولانا نے کتاب کا نام لے دینے کے سوا نہ باب کا حوالہ دیا ہے نہ صفحے کا۔ حالانکہ اکثر جگہ وہ حوالوں کا اہتمام کرتے گئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ہم اسے سہو پر محمول کر سکتے تھے لیکن ایک ایسی بات سہو کے امکان کو خارج کر رہی ہے جو عام قارئین تو نہیں پکڑ سکتے مگر پڑھے لکھے لوگ فوراً پکڑ لیں گے۔ وہ یہ ہے کہ مولانا نے "صواعق محرقہ" کے مصنف کا نام غلط لکھا ہے۔

ذرا سی تفصیل میں جانا پڑے گا۔ ابن حجر نام کی تین شخصیتیں اہلِ علم میں معروف ہیں۔ ابن حجر مکیؒ، ابن حجر ہیتمیؒ[1] ابن حجر عسقلانیؒ۔

ابن حجر عسقلانیؒ ہی وہ بزرگ ہیں جو فتح الباری شرح بخاری اور تہذیب التہذیب وغیرہ کے شہرۂ آفاق مصنف ہیں۔ یہی فنِ اسماء الرجال کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اور انھیں کو مختصراً کبھی "حافظ" کبھی "حافظ عسقلانی" کہہ دیا جاتا ہے۔

آپ کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ "صواعق محرقہ" کے مصنف حافظ عسقلانیؒ نہیں بلکہ ابن حجر ہیتمیؒ ہیں۔ یہ ابنِ حجر عسقلانی سے تقریباً سوا سو (۱۲۵) سال بعد کی شخصیت ہیں۔ ابن حجرؒ کا انتقال ۸۵۲ھ میں ہوا ہے جب کہ ہیتمیؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ہیتمی کا انتقال ۹۷۳ھ میں ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابجد العلوم ص۸۴۳ اور شذرات الذھب جلد ۸ ص۳۷۰) ان کی کتاب کا پورا نام ہے الصواعق المحرقۃ علی اھل الرفض والزندقۃ۔ یہ اسماء الرجال کی نہیں بلکہ علمِ کلام کی کتاب ہے۔

اس توضیح سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ مولانا بنارسی کی دیانتِ علمی اور صداقتِ نقل کا کیا عالم ہے۔ ہم اپنی طرف سے اسے نہ فریب دہی کہہ سکتے ہیں نہ جہالت نہ کچھ اور۔ مولانا ہی جانیں وہ کیا کر کے بیٹھے ہیں۔

چلئے ہم اس بے تکے پن کو نظر انداز کر کے چند منٹ کے لئے مانے ہی لیتے ہیں کہ صواعق محرقہ حافظ عسقلانیؒ کی تصنیف ہے۔ مگر کیا مولانا اتنا بھی نہیں جانتے کہ "فلاں شخص کثیر الوہم" ہے کس موقع پر کس فن میں بولا جاتا ہے؟

یہ دراصل الفاظ جرح ہیں۔ ان کا استعمال فنِ اسماء الرجال میں ہوتا ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں جب کوئی استادِ فن کسی راوی کا ترجمہ لکھتا ہے تو وہاں اس طرح کی جرحیں نقل ہوتی ہیں۔ ایسی جرح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راوی نقلِ روایت میں زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ یا فلاں شیخ کی بعض حدیثوں میں کثرتِ وہم کی بنا پر کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔

محب الطبری اصطلاحی مفہوم میں "راویانِ حدیث" کے زمرے کے آدمی نہیں بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم ہیں (متوفی ۶۹۴ھ) انھوں نے حضرت سعید بن المسیبؓ کا قول محض اپنی اسناد سے نہیں بلکہ دوسرے بزرگوں کی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ ایسی صورت میں صواعقِ محرقہ سے مولانا بنارسی کا یہ نقل کر دینا کہ انّہ کثیر الوھم سراسر بے محل اور بے نتیجہ بات ہے۔ بس یہ شوق انھوں نے ضرور پورا کر لیا کہ جس بزرگ سے بھی مولانا مودودی نے اپنے موقف کی تائید

---

[1] یہ لفظ ہیتمی بعض اہلِ علم میں بھی تین نقطوں والی ث سے مشہور ہوگیا ہے۔ یعنی "ہیثمی" لیکن فی الحقیقت "ہیتمی" ہے (دو نقطوں والی ت سے۔)

ہیں کچھ نقل کر دیا ہے اس کی طرف ایک آدھ ڈھیلا ضرور پھینک دو۔ اسے عوام کی نظروں میں داغدار ضرور بنا دو۔ ابن حجر ہیتمیؒ نے کس موقعہ پر کس سلسلے میں مذکورہ الفاظ لکھے ہیں اس کا جائزہ تو اس وقت لیا جاتا جب مولانا بنارسی نے صفحے کا حوالہ دیا ہوتا۔ ابھی آپ اصابہ میں ان کے ہاتھ کی صفائی دیکھ ہی چکے لہذا کیا امید ہو سکتی ہے کہ یہاں بھی نقلِ عبارت میں کوئی کاریگری نہ کی گئی ہوگی۔ لیکن اگر مان ہی لیا جائے کہ ہیتمی نے محب الطبری کے لئے واقعی ایسا لکھ دیا ہے تو کون معقول آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ اس لکھ دینے سے محب الطبری کا وہ مقام و مرتبہ ختم ہو گیا جسکی نشاندہی تذکرۃ الحفاظ اور شذرات الذہب جیسی کتابوں میں کی گئی ہے۔

ابن جریر طبری

مولانا لکھتے ہیں کہ :-

"علامہ مودودی کا استدلال نوے فیصد تاریخ طبری کی روایتوں پر ہے۔" (ص ۲۶)

ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا نے سفید جھوٹ بولا۔ خلافت و ملوکیت میں تقریباً ۲۵۷ حوالے ہیں۔ (تقریباً کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا کہ ممکن ہے ہم سے شمار میں ایک دو کی غلطی ہو گئی ہو) اس میں طبری کے وہ حوالے جن کیساتھ کسی اور کتاب کا حوالہ نہیں صرف ۱۵ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین فیصد بھی نہیں۔ اب ہمیں بتائیے کہ تقریباً دو فیصد کو نوے فیصد کہنے والا کس پائے کا کذّاب کہلائیگا۔

اور اگر ہم طبری کے ان حوالوں کو بھی شمار کر لیں جن کے ساتھ دوسری کتابوں کے حوالے ہیں (اگرچہ یہ شمار غلط ہوگا کیونکہ جب وہی بات طبری کے علاوہ بعض اور کتابوں میں بھی آگئی تو مدار استدلال تنہا طبری پر نہ رہا) تب بھی کل حوالے ۶۵ ہیں۔ گویا کم وبیش ۹ فیصد۔ تو کیا نو فیصد کو نوّے فی صد مشتہر کرنے والا صادق و امین کہلائے گا؟۔

اے دوستو! ان خوش کرداریوں اور فنکاریوں کا

اوراک عام لوگ بھلا کیسے کر سکتے تھے اگر ہم ہی کھول کر نہ بتائیں آگے چلئے۔ فرماتے ہیں :-

"ہر ذی علم واقف ہے کہ ابن جریر طبری شیعہ تھے۔"

ہم کہتے ہیں کہ وہ ذی علم مولانا بنارسی ہی جیسے ذی علم ہوں گے۔ ورنہ امت کا سوادِ اعظم جن سلفِ صالحین کو ذی علم اور استادِ فن مانتا ہے وہ تو ہرگز نہیں کہتے کہ ابن جریر طبریؒ شیعہ تھے۔ ڈھٹائی اور ظلم کی انتہا ہے کہ جس "خلافت و ملوکیت" پر مولانا بنارسی تنقید فرما رہے ہیں اسی کے صفحہ ۳۱۲ اور ۳۱۳ پر ابن جریر طبری کے بارے میں اُن مسلّمہ اساتذہ اور ماہرینِ فن کی آراء نقل کی گئی ہیں جن کی آراء پر تمام فنّ روایت کا مدار ہے۔ ان آراء کا خلاصہ ہم جائزہ حصہ دوم کے صفحہ ۵۴ پر بھی نقل کر آئے ہیں۔ احتیاطاً پھر کچھ نقل کر دیں۔

(۱) امام ابن خزیمہؒ کہتے ہیں ــ "میں اس وقت روئے زمین پر ان سے بڑے کسی عالم کو نہیں جانتا۔"

(۲) حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں :- "وہ کتاب وسنت کے علم اور اس کے مطابق عمل کے لحاظ سے ائمۂ اسلام میں سے تھے۔"

(۳) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں :- "وہ بہت بڑے اور قابلِ اعتماد ائمۂ اسلام میں سے تھے۔"

(۴) محدث خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں ــ "وہ ائمہ علماء میں سے ہیں۔ ان کے قول پر فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے علم وفضل کے لحاظ سے اس لائق ہیں۔ علوم میں ان کی جامعیت ایسی تھی کہ ان کے ہم عصروں میں کوئی ان کا شریک نہ تھا۔"

(۵) ابن اثیرؒ کہتے ہیں ــ "وہ تاریخ نگاروں میں سب سے زیادہ بھروسے کے قابل ہیں۔"

یہی ابن اثیر اپنی تاریخ الکامل کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ "اصحابِ رسول اللہؐ کے مشاجرات کے معاملے میں مَیں نے ابن جریر طبریؒ پر ہی دوسرے تمام مؤرخین کی بہ نسبت زیادہ اعتماد کیا ہے کیونکہ وہ بلا شبہ صاحبِ اتقان امام ہیں۔ علم کے جامع ہیں۔ صحیح العقیدہ ہیں۔ سچے ہیں۔" (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو لسان المیزان۔ جلد ۵، ص ۱۰۰ سے ص ۱۰۳ تک)

اب یا تو یوں کہئیے کہ یہ سارے اساتذہ اور ماہرین "ذی علم" نہیں تھے بلکہ "ذی علم" فقط آج پیدا ہوئے ہیں۔ یا پھر یوں کہئیے کہ مولانا مودودی کی ضد میں معترضین نے طے کر رکھا ہے کہ کسی بھی بڑے سے بڑے شیخ اور امام پر پتھر برسائے بغیر نہ رہیں گے۔

بے محل نہ ہوگا اگر علامہ شبلیؒ کی رائے بھی طبری کے بارے میں سُن لیں (مولانا بنارسی نے اپنی کتاب میں بعض مقامات پر سیرت النبیؐ سے استدلال کیا ہے لہٰذا یہ کتاب تو ان کے نزدیک بھی کچھ معتبر معلوم ہوتی ہے) علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:-

"تاریخی سلسلے میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، ثقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو ان سے بڑھکر عالم نہیں جانتا۔" (سیرت النبی جلد اول صـ ۱۹ سب سے پہلا ایڈیشن ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء)

یہ تھے ابن جریر طبریؒ۔ اب بھی اگر کچھ لوگ انھیں "شیعہ" کہہ کر اپنی جہالت اور بے عقلی کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں تو ان کی مثال چاند پر خاک اڑانے والوں کی سی ہے۔ آج کل ـ جب کہ "شیعہ" کا لقب "سُنّی" کا مقابل بن چکا ہے ابن جریرؒ جیسے امام کو شیعہ کہنا صرف ابن جریر ہی کی شان میں بدترین گستاخی نہیں ہے بلکہ اُن تمام بزرگانِ دین اور علماء و محققین کی صریح تجہیل و تحقیر ہے جو ابن جریر کو وہ غیر معمولی ہدیۂ نیاز پیش کرتے آئے ہیں جس کی جھلکیاں ابھی آپ نے دیکھیں۔

مولانا بنارسی نے مزید ارشاد فرمایا:-

"علامہ ذہبیؒ نے گو ان کا مضر ہونا نہیں بتلایا ہے تاہم ان کے اندر تشیع کے پائے جانے کا اقرار وہ بھی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں فیہ تشیع و موالاۃ لا تضر (میزان الاعتدال صـ ۳۵ ج ۲)"

(امارت و صحابیت صـ ۲۶)

پہلا سوال تو یہ ہے کہ جب ابن حجرؒ، ابن کثیرؒ، ابن اثیرؒ، ابن خزیمہؒ اور خطیبؒ جیسے اساتذہ طبریؒ کی جلالتِ شان اور امامت و صالحیت اور علم و فضل پر متفق ہیں تو اکیلے حافظ ذہبیؒ کا جملہ یہ کہدینا کہ ان میں تشیع پایا جاتا تھا آخر کسی معقول آدمی کے لئے وحی آسمانی کیسے ہوگیا۔ ہو سکتا ہے ذہبیؒ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ذہبیؒ جب خود ہی یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ان کا تشیع مضر نہیں ہے تو پھر کسی ذمہ دار عالم کے لئے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ذہبی کے حوالے سے انکو مجروح و مشکوک بنانے کی کوشش کرے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ تشیع کسی ایسے جرثومے کا تو نام نہیں ہے جو آنکھوں سے نظر نہ آتا ہو۔ ابن جریر کی ضخیم تفسیر بردار المطالعہ میں موجود ہے۔ اگر وہ شیعہ تھے تو ان کی تفسیر میں لازماً ایسی چیزیں ملنی چاہئیں جو اہلِ سنت کے مسلّمات سے متصادم اور شیعوں کے مخصوص عقائد و افکار سے ہم آہنگ ہوں۔ لیکن ہم چیلنج کرتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر مولانا بنارسی یا ان کے کوئی ہمنوا بزرگ ایسا ثابت کر سکیں تو بے شک ہم مان لیں گے کہ تشیع کے الزام میں کوئی صداقت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ طبری کو شیعہ کہنا بہت بڑا افترا ہے۔ رہا حافظ ذہبی کا ارشاد کہ ان میں تشیع تھا تو اس کی حقیقت آپ اسی زیر دست شمارے میں صفحہ ۶۸ کھول کر ملاحظہ فرمالیں۔ پہلے "تشیع" کا یہ مفہوم تھا ہی نہیں جو آج ہے چنانچہ وہاں آپ دیکھ لیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور بخاریؒ کے شیخ ابن المدینیؒ تک کی طرف بعض بزرگوں نے تشیع کی نسبت کردی ہے اگر اب سے چھ سات صدی قبل کسی بزرگ کی طرف تشیع کی نسبت کر دینا بال برابر بھی ان کی عظمت و ثقاہت میں فرق ڈال سکتا تو پھر ابو حنیفہؒ اور ابن المدینیؒ ہی کب بے داغ رہتے ہیں۔ آج "تشیع" جس چیز کا نام ہے وہ تو اہل سنت کے نقطۂ نظر سے مضر ہی مضر ہے۔ اگر حافظ ذہبیؒ کے زمانے میں بھی "تشیع" اسی چیز کا نام ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ وہ طبری کی طرف تشیع کی نسبت بھی کرتے اور یہ بھی کہتے کہ یہ تشیع ایسا

ہے جو ذرا بھی مضر نہیں۔

آگے صفحہ ۱۶۷ سے صفحہ ۱۷۰ تک "الزام تشیع کی حقیقت" کے زیر عنوان آپ اِس بحث کو مفصل دیکھ سکتے ہیں۔ وہاں جتنا کچھ کہا گیا ہے اس پر مزید اضافہ ہم یہاں ایک مثال کے ذریعے کرتے ہیں۔

عبدالرزاق بن ہمامؒ مشہور محدث گذرے ہیں (متوفی ۲۱۱ھ) ان کی کتاب "مصنف عبدالرزاق" کے نام سے موسوم ہے۔ ان کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا یہ ارشاد بستان المحدثین میں ملاحظہ فرمایئے کہ "ان میں فی الجملہ تشیع تھا البتہ زیادہ غلو نہ تھا" یہ کم و بیش ایسی ہی بات ہے جیسی حافظ ذہبیؒ نے طبری کے بارے میں کہی۔ تو کیا کوئی صاحب علم بتا سکتا ہے کہ اس تشیع کی بنا پر کسی نے انھیں ساقط الاعتبار قرار دیا ہو۔ امام احمد ابن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ، اور یحییٰ بن معینؒ جیسے اربابِ کمال ان کے شاگرد ہیں صحاح ستہ میں بھی ان کی روایت موجود ہے۔ اہلِ علم جہاں ضرورت ہو دوسرے محدثین کی طرح ان کی حدیثوں سے بھی حجت پکڑتے ہیں۔ دُور نہ جایئے۔ ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنویؒ جیسا سُنّی، حنفی، شہرۂ آفاق عالم حسب ضرورت ان سے استشہاد کرتا ہے (نمونے کے لئے ملاحظہ ہو الموطا لامام محمد مع التعلیق الممجد ص ۳۶۱ مطبوعہ ۱۲۹۷ء، مطبع مصطفائی)

اہلِ علم کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ مصنف عبدالرزاق اب ہندوستان میں بھی چھپ رہی ہے۔ اس کی طباعت کے اہتمام میں محدثِ شہیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی بیرونِ ملک گئے ہوئے ہیں۔ غالباً بیروت میں طباعت ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جو لوگ مولانا مودودی کے عناد میں طبریؒ جیسے امام و علامہ اور شیخ وقت کو شیعیت کے خودساختہ تیر سے مجروح کر دینا چاہتے ہیں وہ علم کے ساتھ تمسخر اور فن کے ساتھ استہزاء کر رہے ہیں۔

کھلی خیانتیں

اصابہ کے حوالوں میں بددیانتی کی دستاویزی شہادت

آپ دیکھ چکے۔ یہاں بھی کچھ نمونے دیکھئے — مولانا لکھتے ہیں:۔

"محدث حافظ احمد بن علی سلیمانیؒ ان کے بارے میں (یعنی طبری کے بارے میں) لکھتے ہیں کان یضع للروافض یعنی یہ رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ یہ وضو میں پیروں پر مسح کے قائل تھے دھونا ضروری نہیں سمجھتے تھے (البدایہ ص ۱۴۶ ج ۱۱)"

(امارت و صحابیت ص ۲۶)

ان چند سطور میں ایک نہیں دو نہیں تین ایسی خیانتیں ہیں جنھیں دیکھ کر دل لرز جاتا ہے کہ یا اللہ اہلِ علم کو کیا ہو گیا۔ ان کی متاعِ دین و اخلاق کس نے لوٹ لی۔

پہلی خیانت یہ ہے کہ سلیمانی کا جو قول مولانا نے نقل کیا ہے وہ البدایہ میں ہرگز نہیں ہے بلکہ اسی میزان الاعتدال میں ہے جس سے انھوں نے ذہبی کا یہ قول نقل کیا تھا کہ "ابن جریر میں تشیع ہے مگر مضر نہیں" — اور ٹھیک اسی جگہ ہے جہاں سے یہ قول نقل کر رہے ہیں یعنی جلد دوم صفحہ ۳۵ پر۔ اب بتایئے میزان الاعتدال کا حوالہ دینے کے بجائے البدایہ کا حوالہ دینا خیانت نہیں تو کیا ہے اور اگر خیانت نہیں تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے نہ میزان الاعتدال دیکھی نہ البدایہ بلکہ کسی اور خوش فکرے کی اُردو کتاب سے یہ غلط سلط حوالے لے لئے ہیں۔

دوسری خیانت یہ ہے کہ ذہبیؒ نے جہاں محدث سلیمانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے وہیں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:۔

"یہ سراسر جھوٹی بدگمانی ہے۔ ابن جریرؒ تو اسلام کے بڑے بڑے معتمد علیہ ائمہ میں سے ہیں۔"

ذہبی کی اصلی عبارت آپ آگے ص ۶۸ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

جو لوگ عربی کتابوں تک نہیں پہنچ سکتے وہ ہماری اس وضاحت کا ثبوت علامہ شبلیؒ کی سیرت النبی جلد اول کے مقدمے میں بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ علامہ شبلیؒ نے حافظ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال ہی سے محدث سلیمانی[1] کا مذکورہ واہی قول نقل کر کے

[1] ملحوظ رہے کہ یہ وہی محدث سلیمانی ہیں جنھوں نے (بقیہ اگلے صفحے پر)

حافظ ذہبیؒ کا یہ ریمارک بھی سامنے رکھدیا ہے۔

گویا حافظ ذہبی نے سلیمانی کی جو لغو تہمت تراشی اس لئے ذکر کی تھی کہ اس کی لغویت پر متنبہ کردیں اسے مولانا بنارسی نے البدایہ کے غلط حوالے سے بایں طور پیش کردیا کہ گویا یہ ایک تاریخی صداقت ہے اور حافظ ذہبیؒ کی تردید و تکذیب کو چھپا گئے۔ یہ کس قسم کا ایمان ہے جو لوگوں کو اتنی پست حرکتوں سے بھی نہیں روکتا۔ یہ تو کم و بیش ایسا ہی ہوا جیسے کوئی قرآن سے وہ تہمت تو نقل کردے جو نعوذ باللہ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگائی گئی تھی مگر اس تردید کو چھپا جائے جو قرآن نے اس کی کی ہے۔ فیا حسرتا۔

تیسری خیانت یہ ہے کہ وضوء میں پیروں کے مسح کا قائل نہ ہونا انھوں نے البدایہ کے حوالے سے پیش فرمایا۔ گویا قارئین کو یہ بتا رہے ہیں کہ البدایہ کے محترم مصنف ابن کثیر نے تصدیق کی ہے کہ طبری مسح کے قائل نہ تھے۔

لیکن حقیقت کیا ہے اسے سنکر آپ دنگ رہ جائینگے۔

البدایہ میں ابن جریر کا تعارف جلد ۱۱ میں صفحہ ۱۴۵ سے ۱۴۷ تک کرایا گیا ہے۔ اس تعارف کے ضروری اجزا تو ہم آگے نقل کریں گے۔ اس مسح والے قول کی حد تک ملاحظہ کیجئے کہ البدایہ میں کیا کہا گیا ہے۔

"اور ابن جریر کی طرف یہ بات منسوب کردی گئی ہے کہ وہ وضوء میں پیروں کا دھونا واجب نہیں سمجھتے تھے بلکہ مسح کو کافی سمجھتے تھے اور یہ بات کافی مشہور ہو گئی۔ حالانکہ جو اہل علم ہیں جانتے ہیں کہ ابن جریر دو تھے۔ ایک ان میں کا شیعہ تھا۔ یہ مسح والی بات دراصل اسی کی طرف منسوب ہے اور یہ اہل علم مفسر ابن جریر کو اس قسم کی باتوں سے پاکدامن قرار دیتے ہیں۔"

(البدایہ ج ۱۱ ص ۱۴۷)

جس کا جی چاہے ابن حجر کی لسان المیزان جلد پنجم کو صفحہ ۱۰۰ سے صفحہ ۱۰۳ تک دیکھ لے اسے تفصیل مل جائے گی کہ مفسر ابن جریر ہی کے زمانے میں ایک اور شخص محمد بن جریر الطبری پایا جاتا تھا جو شیعہ تھا۔ ظاہر ہے اِس صورت میں اس شخص کے بعض عقائد و خیالات کا مفسر ابن جریر کی طرف غلط طور پر منسوب ہو جانا ناممکن نہ تھا۔

ابن کثیر آگے فرماتے ہیں:۔

"آیتِ قرآنی کے تحت پیروں کے دھونے اور مسح کرنے کے متعلق ابن جریر نے اپنی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ پیروں کا دھونا تو واجب سمجھتے ہی تھے اس کے ساتھ یہ بھی واجب سمجھتے تھے کہ پانی بہاتے ہوئے ہاتھوں کو بھی پیروں پر پھیرا جائے (یہ نہیں کہ یونہی پانی ترا دیا اور ہاتھ نہ پھیرا) مسح کا لفظ انھوں نے دلک کے مفہوم میں استعمال کیا ہے یعنی دھونے کے ساتھ ساتھ پیروں کو ہاتھ سے ملنا بھی ضروری ہے کہ گرد و غبار صاف ہوتا چلا جائے۔ بہت سے لوگوں نے ان کی مراد نہیں سمجھی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ مگر جنھوں نے مراد سمجھی انھوں نے ان سے نقل کیا ہے کہ وہ دھونے اور ہاتھ پھیرنے دونوں کو واجب کہتے تھے۔"

دیکھا آپنے۔ البدایہ میں کیا لکھا جا رہا ہے اور مولانا بنارسی وہی صفحہ کھولے بھی بیٹھے ہیں مگر اس میں سے کیا نقل کر رہے ہیں ایک ایسا ٹکڑا جس کے بارے میں خود ابن کثیرؒ وضاحت فرما رہے ہیں کہ وہ غلط طور پر ابن جریر کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

ہے اس حق پوشی اور فریب دہی کا کوئی جواب؟

لطف یہ ہے کہ ابن جریر کی تفسیر عنقا تو نہیں ہو گئی۔ آیت فاغسلوا وجوھکم سورۂ مائدہ کے آغاز میں آئی

(گذشتہ صفحے کا بقیہ) اعمش اور شعبہ اور ابن ابی حاتم اور امام ابو حنیفہؒ کو بھی شیعہ کہا ہے (میزان الاعتدال جلد دوم ص ۱۱۶ ترجمہ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم) اور یہی بزرگ ہیں جنھوں نے مسعر بن کدام اور حماد اور ابو حنیفہ جیسے بہتیرے علماء کو فرقۂ مرجئہ میں شامل کیا ہے (میزان الاعتدال جلد سوم صفحہ ۱۶۳ ترجمہ مسعر بن کدام)۔

ہے۔ تفسیر ابن جریر جلد ششم اٹھا کر جس کا جی چاہے ص۷۱ سے ۷۳ تک دیکھ لے۔ امام طبری رحمہ آیت کے متصل بعد تقریباً پندرہ ایسی حدیثیں پیش فرماتے ہیں جن میں صریح طور پر موجود ہے کہ وضو میں پیروں کا دھونا واجب ہے۔ صرف ایک حدیث نمونتہً ملاحظہ ہو:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضاء وھو یغسل رجلیہ فقال بھذا اُمِرتُ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے اور آپ نے اپنے پیر دھوئے اور فرمایا کہ مجھے ایسا ہی حکم کیا گیا ہے۔

ان حدیثوں کے بعد البتہ وہ ان حضرات کا بھی ذکر کرتے ہیں جن کا خیال یہ تھا کہ وضوء میں پیروں کا صرف مسح کافی ہے۔ قدیم اہلِ علم کا طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ کسی مسئلے میں اگر ایک سے زائد آراء موجود ہیں تو وہ دیانتِ علمی کے تحت ان سب آراء کا ذکر کر دیتے ہیں تاکہ یہ آراء دوسروں کو بھی معلوم ہو جائیں۔

خود ابن جریر کا مسلک تو اسی سے واضح ہو گیا کہ انھوں نے مقدم ان حدیثوں کو کیا جو دھونے کے وجوب پر دال تھیں۔ پھر صراحتہً بھی اپنا مسلک وہ درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"اور صحیح بات ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس طرح (تیمم میں) چہرے پر مٹی بھرا ہاتھ پھیرنا مقرر کیا گیا اسی طرح وضو میں پانی کے ساتھ پیروں کا مسح (دلک) ضروری قرار دیا گیا۔"

مسح سے مراد دلک (یعنی صفائی کے لئے ہاتھ پھیرنا یا رگڑنا) اس سے بھی واضح ہے کہ یہیں انھوں نے یہ تمثیل دی ہے کہ مثلاً ایک شخص تالاب یا حوض میں پیر ڈال دیتا ہے مگر پیروں کو ہاتھ نہیں لگاتا تو اس نے حکم کی ناقص تعمیل کی۔ اسے چاہئیے کہ ہاتھ بھی استعمال کرے۔

اندازہ فرمائیے' جو بزرگ اہلِ سنت کے عام مسلک سے بھی زیادہ محتاط مسلک اختیار کئے ہوئے ہیں اور پیروں کو دھونے کے ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں کہ ہاتھ استعمال کر کے ان کا گرد و غبار صاف کر دیا جائے ان کے بارے میں مولانا بنارسی یہ تہمت تراشی فرما رہے ہیں کہ وہ پیروں کا دھونا ضروری نہیں سمجھتے تھے اور فریب در فریب یہ کہ اس تہمت کو ابن کثیر رحمہ کے ذمہ ڈال رہے ہیں۔

حق یہ ہے کہ ابن جریر نے سات طویل صفحات میں مذکورہ آیتِ قرآنی کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے اس سے زیادہ جامع اور عالمانہ و محققانہ تفسیر کا تصور بھی مشکل ہے۔

خیانتیں تو آپ نے دیکھ لیں۔ اب ہم ایک منٹ کو یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ چلئے ابن جریر کا خیال یہی تھا کہ وضو میں پیروں کا صرف مسح واجب ہے۔ دھونا واجب نہیں۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس رائے کی بناء پر وہ شیعہ کیسے ہو گئے! اس رائے کا قول کرنے والے تو سلف میں بہت ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آیتِ قرآنی میں اس کا امکانی پہلو موجود ہے۔ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ اس سے پیروں کے دھونے کا حکم صرف اسی صورت میں نکلتا ہے کہ ارجلکم کے لام پر فتح پڑھا جائے۔ لیکن اہلِ علم نے صراحت کی ہے کہ بہت سے علماء نے لام پر کسرہ (زیر) بھی پڑھا ہے۔ اس صورت میں دھونے کا نہیں صرف مسح کا حکم نکلتا ہے کیونکہ عطف رُؤُسِکُمْ پر ہو جاتا ہے اور رأس (سر) کے لئے مسح ہی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

بے شک جمہور علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ لام پر فتح ہی ہے اور مسح نہیں بلکہ دھونا واجب ہے۔ لیکن کسی مستند عالم نے آج تک ان لوگوں کو کافر نہیں کہا جو مسح کو کافی سمجھتے رہے ہیں۔ اگر آیت میں مسح کی قطعاً کوئی گنجائش نہ ہوتی تو مسح کو کافی سمجھنا قرآن سے انکار قرار دیا جاتا اور قرآن سے انکار کفر ہی ہے۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ بہتیرے علماء ہیں جو اپنی بعض آراء میں تفرّد اختیار کرتے ہیں یعنی جمہور علماء کی رائے سے مختلف اپنی خاص رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً امام ابن تیمیہ رحمہ کے تفرّدات کافی ہیں مگر ان تفردات کی بناء پر کبھی کوئی مستند عالم دوسرے عالم کو گمراہ یا شیعہ یا رافضی یا اہلِ سنت سے

خارج نہیں کہتا۔ اگر ابن جریر کا مسلک یہ ہوتا بھی کہ مسح کافی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا تھا کہ ان کا مسلک غلط ہے۔ ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ آخر چاروں ائمہ میں سے ہر ایک کے مقلدین دوسرے ائمہ کی اختلافی آراء کو غلط ہی بتاتے ہیں۔ لیکن کیا ان اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو گمراہ بھی کہتے ہیں۔

یہ عجیب مسخرہ پن ہے کہ طبری پر الزام تو لگایا جارہا ہے تشیع کا لیکن دلیل میں ایک ایسی بات پیش کی جارہی ہے جو اگرچہ خلاف واقعہ ہے مگر مطابقِ واقعہ بھی مان لیں تو اس کا کوئی تعلق فرقۂ شیعہ سے نہیں ہے۔ اگر شیعہ حضرات وضو میں پیروں کے مسح ہی کے قائل ہوں تب بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ مسح کا ہر قائل شیعہ ہوگیا۔ اگر ایسی جزئی مماثلتیں مؤثر ہوسکتی ہوں تو پھر تو ہر آدمی گدھا بھی قرار پاسکتا ہے۔ لومڑی بھی۔ کوّا اور خرگوش بھی۔ کیونکہ متعدد جزئی مماثلتیں تو تمام جاندار مخلوقات میں موجود ہے۔

مزید خیانتیں

یہیں مولانا طبری کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"بغداد میں جب ان کا انتقال ہوا تو حنبلیوں نے انھیں قبرستان میں دفن ہونے نہیں دیا ونسبوا الی الرفض اور ان کو رافضی بتلایا۔" (البدایہ ج ۱۱ صـ ۱۴۶)

اب دیکھئے البدایہ کی پوری بات کیا ہے۔ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

"وہ اپنے گھر میں دفن کئے گئے کیونکہ حنبلیوں کے کم علم و کم عقل اور بازاری لوگوں[1] نے ان کے دفن میں رکاوٹ پیدا کی اور افواہ پھیلائی کہ وہ رافضی ہیں اور جاہلوں نے تو یہاں تک شرارت پھیلائی کہ ان کی طرف الحاد کی نسبت کردی۔ حالانکہ وہ ان ساری افتراپردازیوں سے بالاتر تھے۔ وہ تو قرآن و سنت کے علم اور عمل کے اعتبار سے اسلام کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔" (صـ ۱۴۶)

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ یہ سب ٹھیک اسی صفحہ پر ہے جس سے مولانا بنارسی نے چند فقرے چُن لئے ہیں۔ بتلائیے۔ جو بزرگوار دیدہ و دانستہ یہ سب کررہے ہوں ان کے بارے میں کون آخر یہ تصور کرے گا کہ خدا کا خوف، دیانت کا احساس اور شرافت کا پاس انھیں کسی بھی درجے میں ہے۔

پورا نقشہ یوں سمجھئے کہ البدایہ کے تین بڑے صفحوں میں ابن کثیرؒ نے طبری کا تعارف کرایا ہے۔ اس میں خطیب بغدادیؒ اور امام ابن خزیمہؒ کی وہ آراء بھی انھوں نے نقل کی ہیں جنھیں ہم پیچھے پیش کر آئے۔ ان کا اپنا کہنا یہ ہے کہ ابن جریرؒ کی تفسیر اور ان کی دوسری تصانیف بے مثل ہیں۔ بے حد نافع ہیں۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ ابن جریر طبری عبادت گذاروں اور زاہدوں اور متقیوں میں سے تھے۔ حق کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ بہت اونچے صالحین میں سے تھے۔ وہ ان بلند مرتبہ محدثین میں سے ایک تھے کہ ابن طولون کے زمانے میں تمام اہلِ مصر جن کی پیروی کرتے تھے۔ حنابلہ نے ان پر بڑا ظلم ڈھایا۔ یہ حنابلہ پروپیگنڈے کر کر کے لوگوں کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ مقتدر نے یہ ارادہ کیا کہ ایک ایسی کتاب لکھواؤں جس کے مندرجات سے تمام علماء متفق ہوں۔ باخبر حضرات نے خلیفہ کو بتایا کہ سوائے ابن جریر کے اس عظیم کام کا اور کوئی اہل نہیں۔ چنانچہ خلیفہ نے انھیں بلایا۔ ان سے استدعا کی۔ انھیں مقربِ خاص بنایا اور کہا کہ آپ کو جو حاجت ہو بیان فرمائیں۔ انھوں نے کہا مجھے کوئی حاجت نہیں۔ خلیفہ نے اصرار کیا کہ جناب یوں نہ ہوگا۔ آپ کچھ تو مجھ سے مانگیں۔ انھوں نے اصرار سے مجبور ہوکر یہ فرمائش کی کہ اے خلیفہ آپ سپاہیوں کو حکم دیجئے کہ جمعہ کے دن جو بھیک مانگنے والے مسجدِ جامع میں گھس کر دستِ سوال دراز کرتے ہیں انھیں روکا جائے۔ بس۔"

---

[1] ابن کثیر کے الفاظ ہیں عوام الحنابلة ورعاعهم۔ رعاع کا ترجمہ کسی بھی عربی اردو لغت میں دیکھ لیا جائے۔ کمینے اور رذیل لوگ۔

دیکھا آپ نے - یہ ہے وہ تعارف جو البدایہ میں ابن جریر کا کرایا گیا ہے - انصاف فرمائیے کیا مولانا بنارسی کا طرز عمل ٹھیک اُس آدمی جیسا نہیں ہے جو طے کر چکا ہو کہ میں چاہے جہنم میں جھونک دیا جاؤں مگر مولانا مودودی کی تردید کر کے رہوں گا اور ہر اُس عالم کو اینٹ ماروں گا جس سے مولانا مودودی نے استناد کیا ہے -

غضب در غضب

یہیں مولانا بنارسی مولانا مودودی کے بارے میں لکھتے ہیں

"حضرت علامہ نے اگر خود کبھی آنکھیں کھول کر انکی تاریخ کو پڑھا ہوتا (یعنی ابن جریر کی - تجلی) تو دیکھتے کہ صفحہ ۲۴ پر حضرت امیر معاویہؓ کے نام کے ساتھ یہ طبری صاحب لعنۃ اللہ کہتے ہیں - اسی طرح صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں فی خلافۃ یزید بن معاویۃ لعنھما اللہ -" (امارت وصحابیت صفحہ ۲۷)

خیر مولانا مودودی کی "آنکھوں" سے تو کیا مولانا محمد میاں اور کیا مولانا محمد اسحاق سندیلوی سبھی کو بڑی ہمدردی ہے کہ برابر کھولے چلے جاتے ہیں - لیکن تماشا یہ کیجئے کہ مولانا بنارسی نے حوالوں کی خیانت سے ترقی کر کے اب سفید جھوٹ ہی شروع کر دیا - آپ دیکھ رہے ہیں کہ انھوں نے طبری کے صفحہ ۲۴ اور صفحہ ۲۹ کے حوالے دیئے - انھیں کیا یہ بھی معلوم نہ ہوگا کہ طبری گیارہ جلدوں میں ہے (اور اگر عریب بن سعد القرطبی کے اضافے کو ملا لیا جائے تو بارہ جلدوں میں) مگر یہ بالکل نہیں بتاتے کہ کونسی جلد کے صفحات دے رہے ہیں - بتائیں کیسے منقولہ الفاظ کہیں موجود ہوں تو بتائیں یہ یکسر دروغ بافی ہے کہ طبری نے حضرت معاویہؓ پر کہیں لعنت بھیجی ہو -

ترجمے میں خیانت

مولانا مودودی نے جن کتابوں سے روایتیں لی ہیں انھیں مولانا بنارسی نے "کتاب العقد" کا نام بھی دیا ہے تعجب ہے اس کتاب کے حوالے انھوں نے "خلافت وملوکیت" میں کہاں دیکھے - خلافت وملوکیت میں تو خاتمے پر حروف تہجی کی ترتیب سے ان کتابوں کی فہرست بھی موجود ہے جن کے حوالے کتاب میں آئے ہیں - جس کا جی چاہے اس پر ایک نظر ڈال لے -

خیر - کتاب العقد کو پایۂ ثقاہت سے گرانے کے لئے فرمایا جاتا ہے :-

"ابن ربہ کی کتاب ہے جن کے بارے میں کشف الظنون میں ہے قال ابن کثیر یدل من کلامہ علی تشیعہ یعنی ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس کا کلام اس کے رافضی ہونے کی دلیل ہے -" (امارت وصحابیت صفحہ ۲۴)

ترجمے کی صریح خیانت یہ ہے کہ تشیّع کے معنی "رفض" کئے گئے - حالانکہ ہر شیعہ رافضی نہیں ہوتا "تشیّع" تو جیسا آپ نے دیکھا ایک ایسی اصطلاح تھی جسے علمائے سلف بہت ہلکے معنی میں بولتے تھے - کسی عالم میں تشیّع کا پایا جانا گمراہی کے مرادف نہیں تھا لیکن "رفض" اس سے آگے کی چیز ہے - یہ لفظ علمائے سلف اس وقت استعمال کرتے تھے جب کسی کی گمراہی کی نشاندہی مقصود ہوتی - منقولہ عربی عبارت میں تشیّع کا ذکر ہے لیکن مولانا نے "رافضی" ترجمہ فرما دیا -

اس خیانت کے علاوہ یہ بھی دیکھئے کہ جلد اور صفحے کا حوالہ سرے سے غائب ہے - اگر مولانا نے کشف الظنون خود دیکھی ہوتی تو مفصّل حوالہ بھی ضرور دیتے -

پھر ابن کثیرؒ کی تو بہت سی کتابیں ہر جگہ دستیاب ہیں - اگر ابن کثیرؒ نے "کتاب العقد" کے مصنف کے بارے میں کوئی اظہار رائے کیا ہے تو اسے ابن کثیر ہی کی کسی کتاب میں دکھانا چاہئے -

عامیانہ مغالطہ اندوزی

مروان کون تھا کیا تھا اس کا خاصہ جغرافیہ آپ جائزہ حصہ دوم میں پڑھ آئے - لیکن مولانا محمد میاں کی

طرح مولانا بنارسی پر بھی "عشقِ مروان" کا دورہ کیوں نہ پڑتا۔ فرماتے ہیں:۔

"تعصب نے مولانا مودودی کی کہیں کہیں سمجھ زائل کر دی ہے مروان اگرچہ کبار صحابہؓ سے نہیں تاہم ان کا صحابی ہونا تو مسلم ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ہدی الساری میں لکھتے ہیں لہ رویۃ یعنی ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا متحقق ہے۔" (صـ۳۲)

معلوم نہیں تعصب بھی کیا بلا ہے کہ پڑھے لکھے بھی کھلی جہالت پر اُتر آتے ہیں۔ مولانا بنارسی بھی اس معلوم حقیقت سے ناواقف نہ ہوں گے کہ "مسلّم" اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں قابلِ لحاظ حضرات کا اختلاف نہ ہو بلکہ تمام قابلِ ذکر علماء اسے تسلیم کرتے ہوں۔ لیکن مروان کی "صحابیت" "مسلّم" ہونا تو دور کی بات ہے، اونچے درجے کے محدثین اور محققین کی اکثریت اسے صرف تابعی مانتی ہے صحابی نہیں۔ خود مولانا نے ابن حجر کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اشارہ کرتے ہیں کہ ابن حجرؒ کے نزدیک وہ صحابی نہیں ہے۔ انھوں نے ولہ رویۃ کہا ولہ صحبۃٌ نہیں کہا حالانکہ اگر صرف دیکھنا ان کے نزدیک مروان کو "صحابہ" میں داخل کر دیتا تو وہ ولہ صحبۃٌ کہتے۔

مولانا نے بخاری کی تاریخ صغیر سے نقل کیا ہے کہ مروان ہجرت سے ۱۰ سال قبل پیدا ہوئے لیکن تمام ثقہ مؤرخین اور محققین اس پر متفق ہیں کہ بخاری کو غلط اطلاع ملی مروان حضورؐ کے جیتے جی ہرگز بالغ نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ابن عبدالبرؒ، ابن کثیرؒ، ابن اثیرؒ، ابن حجرؒ، سب کی کتابوں میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ خود مولانا بنارسی نے تاریخ خمیس سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں وھو صبیٌّ کے الفاظ ہیں یعنی مروان اُس وقت بچہ تھا۔

جس جگہ مولانا نے یہ لکھا ہے کہ:۔

"کثیر جماعتِ محدثین کے نزدیک مروان صحابی تھے۔" (البدایہ صـ۲۵۷ ج۸)

ٹھیک اسی جگہ ابن کثیرؒ کے یہ الفاظ موجود ہیں۔ وکان عمرہ ثمان سنین حین توفی النبی وذکرہ ابن سعد فی الطبقۃ الاولیٰ من التابعین (جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو مروان آٹھ سال کا تھا اور ابن سعدؒ نے اس کا ذکر تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں کیا ہے۔)

اگر ہم مزید کچھ نہ لکھیں تب بھی ظاہر ہے کہ مروان کی صحابیت کو مسلّم کہنا غلط نظر آرہا ہے مگر ہم تھوڑی سی وضاحت کریں گے۔

صحابیت کی تعریف

صحابی کسے کہتے ہیں، اس میں اہلِ علم مختلف الرائے ہیں۔ مشہور فقیہ و محدث تابعی سعید بن المسیّبؒ کہتے ہیں کہ ہم صحابی صرف اس شخص کو قرار دیتے ہیں جو سال دو سال حضورؐ کی صحبت میں رہا ہو اور اس نے ایک دو جہاد آپکی معیت میں کئے ہوں۔

واقدیؒ کہتے ہیں کہ اہل علم کو ہم نے یہ کہتے دیکھا ہے کہ جس آدمی نے حضورؐ کو دیکھا اور بالغ ہو کر اسلام لایا اور دین کی بات سمجھنے کا اہل ہوا اور دین کو اس نے پسند کر کے اختیار کیا وہ ہمارے نزدیک صحابی ہے خواہ اس نے چندہی ثانیئے آپ کی صحبت پائی۔

امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے اصحاب وہ حضرات ہیں جنھوں نے کچھ وقت آپؐ کی صحبت اٹھائی یا آپؐ کو دیکھا۔

قاضی ابوبکرؒ کہتے ہیں کہ جس نے بھی حضورؐ کی صحبت اٹھائی خواہ زیادہ وقت یا کم وقت لغۃً وہ صحابی ہے۔ لیکن امت میں یہ اصطلاح قرار پا چکی ہے کہ صحابی کا اطلاق اسی پر کرتے ہیں جو کثیر الصحبت ہو۔ جن لوگوں نے گھڑی بھر آپؐ سے ملاقات کی ان کے لئے "صحابی" کی اصطلاح جائز نہیں سمجھی گئی۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے تو صحابی ہر وہ شخص ہے جس نے گھڑی بھر بھی حضورؐ کی صحبت اٹھائی ہو۔ لیکن عُرف و اصطلاح میں اس کا اطلاق اُس

شخص پر ہو گا جس کی صحبت زیادہ ہو۔

(یہ تمام تفصیلات ابنِ اثیرؒ کی اسد الغابہ جلد اوّل کے آغاز میں ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں)

اب ان تفصیلات کی روشنی میں فیصلہ فرمائیے کہ جس مروان کی عمر حضورؐ کی وفات کے وقت آٹھ سال سے زیادہ نہ ہو اس کی صحابیت کا کیا حال ہے۔ پھر ماہ گذشتہ جائزہ حصہ دوم میں آپ دیکھ چکے کہ مروان جب پیدا ہوا تو دوسرے بچوں کی طرح اسے بھی حضورؐ کے سامنے حصولِ برکت کی خاطر لایا گیا تھا۔ حضورؐ نے اس پر لعنت بھیجی۔ اس کے بعد آپؐ اس کے باپ حکم کو جلاوطن کر دیتے ہیں اور یہ بھی اسی کے ساتھ چلا جاتا ہے اور پھر خلافتِ عثمانیہ میں مدینے لوٹتا ہے۔

ایک نوزائیدہ بچے کا دیکھنا سراسر سطحی معنی میں تو "دیکھنا" کہلایا جا سکتا ہے۔ شاید اسی لئے ابن حجر نے ساویۃ کا اقرار کیا ہے لیکن صحبت سے اس کا کیا تعلق۔ فی الاصل تو یہ رویت بھی نہیں ہے چہ جائیکہ صحبت۔ عہدِ طفولیت کی اس بے مصرف اور شعور و تمیز سے خالی "رویت" کا لحاظ کر کے بے شک اُن محدثین نے مروان کو "صحابی" کہدیا ہے جو زیادہ تر سطح پر رہنے کے قائل ہیں تہہ میں اُترنے سے انھیں دلچسپی نہیں لیکن اکابر محدثین اور کبار فقہاء میں سے کوئی ایسا نہیں جو مروان کو صحابی کہتا ہو۔

اس کے باوجود اگر مولانا بنارسی یہ فرماتے ہیں کہ، "مروان کا صحابی ہونا مسلم ہے" تو خود سوچ لیجئے کہ وہ جہل و خود رائی کی کس وادی میں بھٹک رہے ہیں۔

عجیب احترام صحابہؓ

دیگر معترضین کی طرح مولانا بنارسی کے بارے میں بھی ناشر کتاب نے یہ بتایا ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے صحابیت کی محبت و احترام میں لکھا ہے۔ مگر یہ احترام کس قسم کا ہے اس کا اندازہ فقط ایک فقرے سے کر لیجئے۔

صفحہ ۴۴ پر فرمایا:۔

"جس وقت حضرت عثمان غنیؓ پر مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے حضرت علیؓ نے زبانی جمع خرچ کے سوا ان کی ذرہ برابر بھی مدد نہیں کی، اور نہ ان کے جنازے میں شرکت کی بلکہ بعد میں انھیں ظالم قاتلین کو اعلیٰ ترین عہدے گورنری وغیرہ کے عطا کر دیئے۔ ہے کوئی تاویل اس کے لئے؟"

تاویل تو سب کے علم میں ہے کہ خود حضرت عثمانؓ شورش کاروں کے مقابلے میں تلوار اُٹھانے اور طاقت استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے پھر حضرت علیؓ یا کوئی اور عملاً کیا مدد کرتا۔ نیز اس عبارت میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے ایک ایک جز کا شافی جواب "خلافت و ملوکیت" میں موجود ہے بشرطیکہ اس کا مطالعہ مخالفانہ ذہن سے نہیں بلکہ طلبِ حق کے ارادے سے کیا جائے مگر ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ صرف اتنا سوال مولانا بنارسی اور ان کے ناشر سے کرنا چاہتے ہیں کہ کیا احترام کے مستحق صرف وہ صحابہ ہیں جن کا دفاع آپ مولانا مودودی کی ضد میں کر رہے ہیں یا باقی صحابہ بھی کسی احترام و عقیدت کے مستحق ہیں۔ اگر ہیں تو پھر یہ کیسا احترام ہے جو آپ نے حضرت علیؓ کا کیا ہے۔ زبانی جمع خرچ کا طعنہ جس انداز میں آپ نے دیا ہے وہ تو صریحاً توہین انگیز ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کا پایہ متفقہ طور پر حضرت معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اور مروان وغیرہ سے بلند ہے۔ حضرت علیؓ کا استخفاف کرنے والا بھی اگر احترامِ صحابیت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ محض نمائش ہے۔ صاف کہئے آپ کو اصلاً صحابیت وغیرہ کے احترام سے کوئی مطلب نہیں بلکہ مطلب صرف اس سے ہے کہ جس طرح بھی ہو مولانا مودودی کے چہرے پر سیاہی ملی جائے۔

حضرت علیؓ کی تحقیر کا ایک اور انداز بھی مولانا نے اختیار کیا ہے۔ ازالۃ الخفاء کے حوالے سے انھوں نے شاہ ولی اللہؒ کی طرف یہ بات منسوب کی:۔

"خلافت حضرت مرتضیٰؓ کے لئے قائم نہ ہوئی کیونکہ
اہلِ حل وعقد نے اپنے اجتہاد سے اور مسلمانوں
کی نصیحت کی غرض سے بیعت ان سے نہیں کی۔"

اس حوالے کا دجل تو بعد میں دیکھئے۔ اس سے یہ تو بہر حال ظاہر ہو گیا کہ مولانا بنارسی حضرت علیؓ کو خلیفۂ راشد تو کجا سرے سے خلیفہ ہی نہیں جانتے۔ بتائیے پھر اہلِ سنت والجماعت سے خارج مولانا بنارسی ہیں یا مولانا مودودی۔ حضرت علیؓ کے چوتھے خلیفۂ راشد ہونے پر اہلِ سنت کا اجماع ہے۔

حوالے کا معاملہ یہ ہے کہ ازالۃ الخفاء کے جس صفحے کا مولانا نے حوالہ دیا ہے وہاں آس پاس بھی یہ عبارت موجود نہیں۔ البتہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے تمام خلفاء کی خلافت پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے ان کے فروق پر بحث کی ہے۔ وہیں حضرت علیؓ کی خلافت کا پورا نقشہ کھینچا ہے۔ اس کا یہ مطلب دُور دُور نہیں کہ شاہ صاحب کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہم ازالۃ الخفاء سے شاہ صاحب کا ایک واضح اعتراف پیش کریں گے۔

مقصد اول، فصل پنجم میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

پس حضرت مرتضیٰ بصفاتِ کاملۂ خلافتِ خاصہ اتصاف داشتند وخلافتِ ایشاں شرعاً منعقد شد۔	پس حضرت علی مرتضیٰ خلافتِ خاصہ کی کامل صفات سے متصف تھے اور ان کی خلافت شرعاً منعقد ہوئی۔

ویسے بھی عام وخاص سب جانتے ہیں کہ شاہ ولی اللہؒ اہلِ سنت کے اکابرین میں ہیں۔ ان کا احترام اور اعترافِ عظمت ہر حلقے میں کیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں افواہاً بھی کبھی کسی نے نہ سنا ہو گا کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت سے انکاری تھے۔ پھر آخر اسے ابلہ فریبی اور دھوکے کے سوا کیا کہیں گے کہ مولانا بنارسی ازالۃ الخفاء کی مفصل بحثوں میں سے ایک ایسا جملہ اٹھا لیتے ہیں جو بیچارے کم علم عوام کو یہ یقین دلائے کہ حضرت علیؓ کی خلافت شاہ ولی اللہ کے نزدیک منعقد ہی نہیں ہوئی۔

اپنی پوری کتاب میں جگہ جگہ مولانا بنارسی نے حضرت علیؓ کے بارے میں وہ توہین انگیز اور عامیانہ لب ولہجہ اختیار کیا ہے کہ کیا کہئے۔ جو بدنصیب اس کتاب کو پڑھیگا اسے قدم قدم پر اس کا ادراک ہو جائے گا۔

دار المصنفین (اعظم گڈھ) توجہ کرے

جتنا کچھ ہم نے پیش کر دیا اس کے بعد امارت وصحابیت کے مندرجات پر مزید گفتگو کی ہرگز کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ جن لوگوں کے پاس یہ کتاب ہے وہ ہماری واضح کردہ خیانتوں اور مغالطہ انگیزیوں سے اندازہ کر لیں کہ بقیہ مندرجات میں بھی اسی فنکاری کا استعمال کیا گیا ہو گا۔

تاہم خاتمۂ کلام پر ہم ایک ایسے جز پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں جس سے ظاہر ہو گا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی جلد ثالث میں ایک عجیب غلطی رہ گئی ہے۔

حضورؐ کا یہ ارشاد کہ خلافت تیس سال ہے پھر بادشاہی ہے امت کے خواص وعوام سب میں معروف ہے مگر مولٰنا بنارسی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غیر معتبر ہے دلیل یہ دیتے ہیں:۔ "اول تو اس کے ایک راوی حشرج بن نباتہ الکوفی ہیں جو ضعیف اور منکر الحدیث ہیں۔
دوسرے اس کے راوی سعید بن جمہان روایت کرتے ہیں حضرت سفینہؓ سے اور ان سے ان کا لقا ثابت نہیں ہے۔" (ص ۲۱)

اہلِ علم خیال فرمائیں کہ مولانا نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ حدیث کس کتاب میں آئی ہے۔ آخر کیوں نہیں کیا؟ — شاید اس لئے کہ اگر کر دیں گے تو اپنے قارئین کو یہ یقین دلانا مشکل ہو جائے گا کہ یہ حدیث غیر معتبر ہے۔ ترمذی شریف کا نام عام لوگ بھی جانتے ہیں اور اکثر یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ حدیث کی چھ صحیح کتابوں میں سے ایک شمار ہوتی ہے۔

راویوں کے بارے میں جو جرح فرمائی ہے وہ بھی اس لئے

غیر علمی ہے کہ انھوں نے حدیث کی سند بیان نہیں کی۔ حالانکہ سند کے بغیر راویوں پر جرح چہ معنی۔ پھر جرح کے ساتھ انھوں نے کسی بھی صاحبِ فن یا کتابِ فن کا حوالہ نہیں دیا۔ حالانکہ کسی راوی کے ضعف وغیرہ کا ثبوت کتبِ فن ہی سے مل سکتا ہے نہ کہ یونہی زبان چلا دینے سے۔

سعید بن جمہان کی ملاقات اگر حضرت سفینہؓ سے ثابت نہیں ہے تو مولانا کو اُن اساتذہ کا نام بتانا چاہیئے تھا جو یہ کہتے ہوں کہ ملاقات کا ثابت نہ ہونا روایت کو غیر معتبر بنا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے صحیح مسلم پڑھی ہے انھیں خوب معلوم ہے کہ امام مسلمؒ اپنے مقدمے میں کس شد و مد سے اس شرط کو رد کرتے ہیں اور مثالیں دے دے کر بتاتے ہیں کہ اگر ثبوت ملاقات نہ ہونے سے حدیث غیر معتبر ٹھیر جائے تو بے شمار صحیح احادیث رد ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں اس شرط کو انھوں نے قطعاً نظر انداز کر دیا ــــ تو کیا مولانا بنارسی اب مسلم شریف کو بھی ساقط الاعتبار قرار دیدیں گے۔

راویوں کی براہِ راست بحث سے ہٹ کر یہ بات سوچنے کی ہے کہ حدیث کی صحت و سقم اور ضعف و قوت کو صاحبِ ترمذی زیادہ جانتے تھے یا مولانا بنارسی زیادہ جانتے ہیں۔ ابو عیسٰی ترمذیؒ امام بخاریؒ کے مشہور شاگردوں میں ہیں۔ مسلم، ابو داؤد اور ان کے شیوخ سے بھی انھوں نے روایت لی ہے۔ ان کی کتاب ترمذی کو چار اعتبار سے دوسری تمام کتب پر فوقیت دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ اس میں تکرار نہیں ہے۔ ترتیب بہت نفیس ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں فقہاء کے مذاہب اور ان کے دلائل بھی ایجاز کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس میں ہر حدیث کے بارے میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ وہ کیسی ہے۔ صحیح ہے۔ حسن ہے۔ غریب ہے۔ ضعیف ہے یا معلّل ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں راویوں کے ناموں اور کنیتوں کے علاوہ بعض ایسے فوائد بھی بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق علم الرّجال سے ہے۔

جس حدیث کو مولانا بنارسی غیر معتبر فرما رہے ہیں اس کے بارے میں ترمذی کا کہنا ہے ھذا حدیث حسنٌ قد رواہ غیر واحد عن سعید بن جمہان (یہ حدیث حسن ہے اسے سعید بن جمہان سے متعدد راویوں نے روایت کیا ہے۔ جلد ۲۔ صفحہ ۴۵ (باب ماجاء فی الخلافۃ)

کیا مولانا بنارسی نہیں جانتے کہ "حدیثِ حسن" حدیثِ مقبول کے اقسام میں داخل ہے اور اس سے حجت پکڑی جاتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ جس ازالۃ الخفاء سے مولانا جگہ جگہ استناد کرتے جا رہے ہیں اسی میں شاہ ولی اللہؒ نے اس کو متعدد جگہ ذکر کیا ہے۔ فی الوقت دو حوالے ہم دے سکتے ہیں (۱) ازالۃ الخفاء۔ مقصد اوّل فصل چہارم۔ مُسند سَفِینۃ کی پہلی ہی حدیث۔ (۲) مقصدِ اوّل۔ فصل پنجم۔ بیانِ فتن۔ یہاں شاہ صاحب نے ابوبکرہ ثقفی والی سند لی ہے

تو کیا شاہ صاحبؒ صرف اُسی وقت قابلِ اعتماد ہوتے ہیں جب مولانا بنارسی اپنے مطلب کے فقرے انکی کتابوں سے اٹھائیں۔ اور جب شاہ صاحبؒ کوئی ایسی روایت پیش فرمائیں جو مولانا مودودی کی تائید کرتی ہو تو ان کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ترمذی یا بخاری و مسلم بے شک قرآن نہیں ہیں۔ ان کی کسی روایت سے اگر کوئی انکاری ہو تو اسے دو طرح کی دلیلیں دینی ہوں گی۔ ایک فنی دوسرے نقلی۔ فنی سے مراد وہ اصولی طریقِ تنقید ہے جو اربابِ فن میں مستند مانا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ اطفالِ مکتب کی طرح کوئی جرحِ مبہم نقل کر دی یا کسی اور بچکانے انداز میں راوی کو ساقط الاعتبار قرار دیدیا۔

اور نقلی سے مراد یہ ہے کہ سلف میں صدہا ناقدینِ حدیث اور حفّاظ گذرے ہیں جنھوں نے اِن چوٹی کی کتابوں کو کئی کئی بار الف سے یا تک پڑھا ہے اور اپنے قیمتی خیالات ان کے بارے میں ظاہر کئے ہیں تاکہ اخلاف ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اگر ان کتابوں میں کوئی حدیث ایسی ہے جسے آج کا کوئی شیخ الحدیث غیر معتبر قرار دے رہا ہے تو لازمی بات ہے کہ پچھلے ناقدین حدیث میں بھی کچھ نہ کچھ بزرگ ایسے ملنے چاہئیں

جنھوں نے ایسی ہی رائے ظاہر کی ہو۔ اگر نہیں ملتے تو اس کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ سب فن حدیث میں ناقص تھے کہ اُس نقص کو نہ پکڑ سکے جسے آج کے شیخ الحدیث صاحب پکڑ رہے ہیں۔ یا پھر آج کے شیخ الحدیث فن سے نابلد ہیں۔ پہلی شکل کو تو کوئی نادان ہی قابلِ قبول تصور کر سکتا ہے لہٰذا دوسری شکل کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

واضح رہے کہ یہ حدیث ابوداؤد، نسائی، المستدرک اور سننِ بیہقی میں بھی آئی ہے۔ علاوہ ازیں شرح عقائد نسفی میں اسے بطور عقیدۂ اساسی ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔

الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ ثم یصیر بعدھا ملکا عضوضا۔	(حضورؐ نے فرمایا) خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر اس کے بعد کٹکھنی بادشاہت ہے۔ (ص۱۰۵ مطبع قیومیہ)

مولانا بنارسی نے ایک بات یہ بھی کہی ہے کہ یہ حدیث مسلم کی فلاں حدیث کے خلاف ہے۔ یہ دلیل دراصل ایک دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت عقلی و نقلی موجود نہیں۔ لیکن ہم اس کی بحث میں پڑ کر خواہ مخواہ وقت برباد کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ وہ عبارت نقل کریں گے جو مولانا بنارسی نے سیرت النبیؐ سے پیش فرمائی ہے۔

"علمائے اہلِ سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ اشخاص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی ہے۔ اور وہ متقی تھے۔ حافظ ابن حجرؒ ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت میں تمام امت کا اجماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمرو بن عبدالعزیز، یزید ثانی ہشام۔"

مولانا بنارسی نے اس کے لئے سیرۃ النبیؐ جلد ثالث صفحہ ۶۴۱ کا حوالہ دیا۔ ہمارے سامنے ۱۹۶۶ء والا ایڈیشن ہے۔ اس میں یہ عبارت صفحہ ۷۰۲ پر ملی۔ مولانا کی نقل میں باریک خیانت یہ ہے کہ سیرۃ النبیؐ میں "یزید" پر رحمۃ اللہ علیہ کا مخفف "رح" نہیں ہے مگر مولانا کی نقل میں موجود ہے۔ یہ نازک سا فرق ان کے قارئین کو اس غلط نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ سید صاحب مرحوم کی رائے یزید کے بارے میں صرف سات ہی صفحات بعد ملاحظہ کر لی جائے۔ وہ ذکرِ یزید کا عنوان ہی یہ دیتے ہیں:۔

"یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر"

پھر لکھتے ہیں:۔

"امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولیں شب ہے۔" (ص۷۰۹)

اور آگے کئی سطروں تک وہی خیالات ظاہر فرماتے ہیں جو یزید کے متعلق عام مسلمانوں کے ہیں۔

ہمارا خطاب اس سیرۃ النبیؐ کے ناشر یعنی دارالمصنفین (اعظم گڑھ) کے موجودہ اربابِ حل و عقد سے ہے۔ جو عبارت ابھی ہم نے نقل کی وہ بلاشبہ موجود ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ سید صاحب مرحوم نے اس کے لئے حوالہ سیوطی کی تاریخ الخلفاء کے مقدمے کا دیا ہے۔ ہماری ناقص فہم میں نہیں آیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ تاریخ الخلفاء کا مقدمہ ہم نے حرف حرف پڑھ ڈالا وہاں تو مضمون یوں نہیں ہے۔ نہ تو قاضی عیاض ہی کا قول سید صاحبؒ کی عبارت میں ٹھیک نقل ہوا نہ حافظ ابن حجرؒ کا۔ اہلِ علم جائزہ لے کر دیکھیں یہ ہوا ہے تو کیا ہوا ہے۔

دوسری بات ہم بصد ادب یہ عرض کریں گے کہ اثنا عشر خلیفۃ والی حدیث پر بارہ سطروں میں سید صاحبؒ نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی شانِ بلند سے ہم آہنگ نظر نہیں آتا۔ حدیث کی قابلِ فہم شرح تو ان سطور میں ہے نہیں البتہ غلط فہمیاں پیدا کرنے کا سامان خاصا ہے جیسا کہ

منقولہ عبارت سے ظاہر ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ سید صاحبؒ کیا کہنا اور کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں۔

ہمارا فدویانہ مشورہ یہ ہے کہ اگلے ایڈیشن میں اس پر ایک مفصّل حاشیہ ناشر کی طرف سے دیا جائے جس میں حدیث کی مناسب تفہیم ہو۔ اس کے لئے امام نوویؒ کی شرح مسلم اور حضرت محدث مبارکپوریؒ کی تحفۃ الاحوذی کا مطالعہ کافی ہوگا۔ شرح عقائد نسفی بھی سامنے رہے تو بہتر ہے۔

تمت بالخیر

باوجود کوشش اختصار کے "امارت وصحابیت" کا تعارف قدرے طویل ہوگیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے قلم کو بڑی مشکل سے لگام دینی پڑی ہے ورنہ جوں جوں اس کتاب کو پڑھا عجیب عجیب فن پارے نظر آتے چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ اُن تمام حضرات پر اپنا رحم فرمائے جو مولانا مودودی کے تعصب میں آخرت کو، اخلاقی قدروں کو اور اپنے آپ کو بھول گئے ہیں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

(درس حدیث)

قبر بھی ایک امتحان گاہ ہے

اس کے بعد (قبر میں) دو فرشتے مومن کے پاس آتے ہیں جو آکر اسے اٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تمہارے اندر بھیجے گئے؟ وہ کہتا ہے یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا عمل کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی سو اس پر ایمان لایا اور اسکی تصدیق کی۔ اسکے بعد ایک منادی آسمان سے پکارتا ہے (جو اللہ کا منادی ہوتا ہے) کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے۔ اسکے لئے جنت کے بچھونے بچھادو، اسکو جنت کے کپڑے پہنادو۔ اور اس کیلئے جنت کے دروازے کھول دو چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھولدیا جاتا ہے جسکے ذریعے جنت کی خوشبو اور آرام اسے نصیب ہوتا رہتا ہے اور اسکی قبر اتنی کشادہ کردی جاتی ہے کہ جہانتک اسکی نظر پہنچے۔ اسکے بعد ایک نہایت خوبصورت چہرے والا، بہترین لباس والا اور پاکیزہ خوشبو والا شخص اسکے پاس آکر کہتا ہے کہ خوشی کی چیزوں کی بشارت سن لے۔ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے تم کون ہو کہ تمہارا چہرہ حقیقت میں چہرہ کہنے کے لائق ہے اور اس لائق ہے کہ اچھی خبر لائے۔ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اسکے بعد وہ (مومن) خوشی میں کہتا ہے کہ اے رب قیامت قائم فرما۔ اے رب قیامت قائم فرما تاکہ میں اپنے اہل وعیال اور مال میں پہنچ جاؤں (مشکوٰۃ شریف)

اس سے پہلے حدیث مبارکہ میں یہ بات بیان ہوئی تھی کہ مومن بندے کی روح جب اسکے جسم سے نکالی جاتی ہے تو اسے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ آسمانوں کی بلندیوں سے گزار کر خدا کے حضور پہنچایا جاتا ہے جہاں سے حکم ہوتا ہے کہ اس کا نام اعلیٰ علیین میں درج کرکے واپس میرے بندے کے جسم میں ڈالدو۔ چنانچہ وہ روح پھر بندے کے جسم میں ڈالدی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس سے قبر کا حساب کتاب شروع ہوتا ہے۔ خوش قسمت صالح بندہ اس امتحان کو آسانی سے پاس کرلیتا ہے۔ پروردگار عالم اسکے اعمال صالحہ کی خود تصدیق کرتا ہے اور اسکے لئے جنت کی جانب کھلنے والی کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں جنتی بچھونے بچھ جاتے ہیں اور اسکی قبر اتنی وسیع کردی جاتی ہے جتنی دور تک اسکی نظر پہنچے۔ اسکے بعد اسکے اعمال کو نہایت پاکیزہ لباس اور پاکیزہ خوشبو میں بساکر ایک حسین وجمیل تمثیلی شبیہہ کے طور پر اسکے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اسطرح مومن کو ایک ابدی طمانیت پہلی ہی منزل میں حاصل ہو جاتی ہے تب وہ پورے اعتماد کیساتھ خدا سے التجا کرتا ہے کہ اب جلد از جلد اس کا حساب کتاب کردیا جائے تاکہ وہ اپنی منزل مقصود (جنت) تک پہنچ سکے۔ اسطرح خدا کی رحمتوں اور نعمتوں کے درمیان وہ اطمینان اور تسلّی سے قیامت تک آرام کرتا ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(مولانا مودودی)

قرآن۔ تفسیریں۔ پارے۔ حمائلیں۔ دعائیں

تفصیل	پیسے	روپے
قرآن پاک مترجم — مع تفسیر عکسی، ترجمہ مولانا محمود الحسن (شیخ الہندؒ) اور تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مجلد ریگزین	-	۲۴
مجلد اعلیٰ چرمی	-	۲۷
قرآن پاک مترجم نمبر ۱۸ — عکسی ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ جلی حروف عمدہ کتابت وطباعت۔ مجلد ریگزین سائز ۲۰×۳۰/۸	۵۰	۱۴
قرآن پاک مترجم نمبر ۱۸/۲ — ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ نمبر ۱۸ کو مزید اہتمام سے طبع کرایا ہے۔ حاشیہ بھی رنگین کرادیا کاغذ بھی عمدہ لگایا ہے۔ جلد عمدہ حسین بنائی گئی ہے۔ مجلد		۱۹
قرآن پاک مترجم نمبر ۶۸ — بلدہ ترجمہ۔ مترجم مولانا تھانویؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ۔ حرف جلی کتابت وطباعت عمدہ مجلد کرمچ	-	۱۵
عمدہ مجلد فل چرمی	۰	۱۸
قرآن پاک مترجم نمبر ۱۶ — عکسی بلدہ ترجمہ مترجم مولانا تھانویؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نمبر ۶۸ سے چھوٹے حروف تاج کمپنی کے قرآن کا عکس۔ مجلد ریگزین	-	۱۴
قرآن پاک مترجم نمبر ۶۴ — عکسی ترجمہ مولانا تھانویؒ سائز ۲۲×۲۹/۸ کشادہ حروف صاف ستھری کتابت وطباعت مجلد ریگزین	-	۱۲
قرآن پاک مترجم نمبر ۶۴ — عکسی ترجمہ مولانا تھانویؒ سائز ۲۰×۳۰/۸ نمبر ۱۸ سے چھوٹے حروف حاشیہ رنگین جلد خوبصورت ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلد ریگزین ہدیہ	-	۱۶

تفصیل	پیسے	روپے
قرآن پاک بلا ترجمہ نمبر ۳ — عکسی ہر سطر کے بعد لائن کاغذ کتابت طباعت سب عمدہ سائز ۲۰×۳۰/۸ (تجلی سائز) ریگزین قسم دوم کچھ ہلکے کاغذ پر ۹/۲۵ قسم سوم	۰	۹
قرآن پاک بلا ترجمہ نمبر ۱۲۶ — عکسی ہر صفحہ آیت پر ختم کاغذ، کتابت، طباعت جلد سب عمدہ سائز ۲۰×۳۰/۸ مجلد ریگزین	۵۰	۸
قرآن پاک بلا ترجمہ نمبر ۵۳ — عکسی ۲۰×۲۶/۸ بتدیوں اور بچوں کیلئے نہایت عمدہ مجلد کرمچ قسم اول ۶/۵۰۔ قسم دوم	۰	۶
قرآن پاک بلا ترجمہ نمبر ۴ — غیر عکسی ۲۰×۳۰/۸ کتابت وطباعت بہتر۔ کاغذ ہلکا۔ مجلد کرمچ	۰	۵
حمائل مترجم نمبر ۲ — عکسی۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ ترجمہ مولانا تھانویؒ۔ حاشیہ پر مختصر تفسیر ہر لحاظ سے اچھی۔ مجلد کرمچ۔ ہدیہ	۰	۱۲
حمائل مترجم نمبر ۲/۲ — عکسی سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ترجمہ مولانا تھانویؒ نمبر ۲ کو ہی اعلیٰ پیمانے پر طبع کرایا ہے حاشیہ رنگین جلد حسین	-	۱۵
حمائل مترجم نمبر ۳۵ — عکسی ۲۰×۳۰/۱۶ سائز ترجمہ مولانا فتح محمد خاں جالندھری کتابت طباعت عمدہ مجلد ریگزین	۰	۱۰
حمائل بلا ترجمہ نمبر ۲۳ — عکسی نمبر ۲۰×۳۰/۱۶ سائز ہر سطر کے بعد لائن روشن حروف ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلد کرمچ ہدیہ	۷۵	۵
حمائل بلا ترجمہ نمبر ۲۶ — عکسی کارڈ سائز باریک عمدہ سفید کاغذ پر مجلد پلاسٹک حفاظ کیلئے عمدہ۔ ہدیہ	۵۰	۴

کتاب	تفصیل	پیسے	روپے
حمائل بلاترجمہ نورانی	عکسی کارڈ سائز باریک سفید کاغذ پر ۴۹۲ صفحات، ہر سطر کے بعد لائن مجلد ملکی پلاسٹک	۵۰	۴
قرآن پاک	۲۰×۳۰ / ۸ سائز کے پارے تمام پارے الگ الگ مجلد جو مساجد میں رکھوائے جاتے ہیں مکمل	فی سیکڑہ	۱۴/-
قرآن پاک	۲۰×۲۶ / ۸ سائز کے تمام پارے الگ الگ مجلد جو مساجد میں رکھوائے جاتے ہیں مکمل	-	۱۶
	ان کے علاوہ ہر قسم کے عکسی و غیر عکسی پارے قاعدے یسّرنا القرآن اور نمازیں وغیرہ مناسب ترین نرخوں پر بھیجے جاتے ہیں (تاجر حضرات تاجرانہ فہرست طلب کریں)		
مجموعہ وظائف مکمل مترجم عکسی	۲۰×۳۰ / ۸ سائز وظائف اور دعاؤں کا مجموعہ ہدیہ	۵۰	۴
دوازدہ سورہ ربانی عکسی	پاکٹ سائز ہر لحاظ سے معیاری مجلد پلاسٹک	۲۵	۳
یازدہ سورہ عکسی	۲۰×۳۰ / ۱۶ سائز ہر لحاظ سے معیاری (کمال والا)	-	۲
حزب الاعظم	عکسی ربانی پاکٹ سائز ہر لحاظ سے معیاری۔ مجلد پلاسٹک	۵۰	۳
مناجات مقبول کریمی مترجم	عکسی۔ مجلد پورے ملک میں سب سے ضخیم ایڈیشن	-	۶
مناجات مقبول مترجم	(مدینہ) عکسی مجلد کاغذ اعلیٰ قسم جلد حسین نیا ایڈیشن	-	۵
مناجات مقبول مترجم	(نقل تاج) عکسی مجلد تاج کمپنی کی مناجات کا فوٹو مجلد سادہ	-	۴
مناجات مقبول مترجم	پاکٹ سائز نہایت نفیس کتابت و طباعت معیاری کاغذ مجلد پلاسٹک	-	۴
مناجات مقبول مترجم	غیر عکسی۔ کتابت و طباعت معمولی غیر مجلد	-	۲

کتاب	تفصیل	پیسے	روپے
دلائل الخیرات	(مدینہ) مترجم عکسی۔ ہر لحاظ سے معیاری مجلد پلاسٹک ۶/۵۰ مجلد ریگزین	-	۵
دلائل الخیرات	غیر عکسی مترجم مطبوعہ دیوبند غیر مجلد ہدیہ	-	۳
مسنون دعائیں	عکسی پاکٹ سائز ہر لحاظ سے عمدہ	۶۰	۰
تفسیر ابن کثیر	اردو مع عربی۔ مکمل غیر مجلد	-	۷۵
	مجلد در چار جلد	-	۸۰
تفسیر حقانی	اردو مع عربی مکمل غیر مجلد		۶۰
	مجلد در چار جلد	-	۶۵
تفسیر بیان القرآن	اردو مع عربی مکمل غیر مجلد	-	۶۰
	مجلد در تین جلد	-	۶۵
تفسیر مظہری	صرف عربی (اسمیں اردو نہیں ہے)، مکمل در دس جلد ۱۰۰/- مجلد	-	۱۲۰
تفسیر مظہری	اردو مع عربی۔ ہر جلد میں دو یا ڈھائی پارے جلد اول	۰	۱۶
	جلد دوم ۱۱/- جلد سوم	-	۱۲
	جلد چہارم ۱۲/- جلد پنجم	-	۱۵
	جلد ششم ۱۳/- جلد ۷ و ۸ ۱۴/- جلد ۹	-	۱۵
	اور جلد آخری ۲۹ و ۳۰	۵۰	۱۰

مجلّد لینے کی صورت میں دو روپے فی جلد بڑھ جائے گا

دُنیا کا ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے

ملک	رقبہ مربع میل	آبادی	فیصد	مسلم آبادی
اینگولا	چار لاکھ اکیاسی ہزار تین سو اکیاون	اڑتالیس لاکھ ستر ہزار	۲۵ فیصد	بارہ لاکھ ستر ہزار پانچ سو
ارجنٹینا	دس لاکھ اناسی ہزار نو سو پینسٹھ	دو کروڑ دس لاکھ اناسی ہزار	۱۴ ″	دو لاکھ ۹۵ ہزار ایک سو چھ
آمینین ایس ایس آر	گیارہ ہزار تین سو چھ	۲۰ لاکھ سات ہزار	بارہ ″	دو لاکھ ۴۱ ہزار
باسوٹو لینڈ	گیارہ ہزار سات سو	۷ لاکھ آٹھ ہزار	دس ″	۷۰ ہزار آٹھ سو
آسٹریلیا	۲۹ لاکھ ۷۱ ہزار	ایک کروڑ آٹھ لاکھ	۱۰۶ ″	بارہ ہزار
بیکوانا لینڈ	دو لاکھ ۷۵ ہزار	۳ لاکھ ۳۳ ہزار	٪۵	۱۶ ہزار چھ سو
بھوٹان	۱۸ ہزار	۷ لاکھ	٪۵	۳۵ ہزار
بلغاریہ	۴۲ ہزار ۷ سو	۷۹ لاکھ ۴۳ ہزار	٪۱۴	۱۱ لاکھ ۱۲ ہزار
برما	۲ لاکھ ۶۱ ہزار	۲ کروڑ ۲۳ لاکھ ۴۲ ہزار	٪۱۰	۲۲ لاکھ ۳۴ ہزار
برونڈی	۲۰ ہزار ۷ سو	۲۵ لاکھ ۱۰ ہزار	٪۲۰	۵ لاکھ ۲ ہزار
بائیلوروسین ایس ایس آر	۸۰ ہزار	۸۴ لاکھ ۱۳ ہزار	٪۶	۵ لاکھ چار ہزار
کمبوڈیا	۸۸ ہزار ۷ سو	۵۷ لاکھ ۴۹ ہزار	ایک فیصد	۵۷ ہزار ۴ سو
کینیڈا	۳۸ لاکھ ۵۱ ہزار ۸ سو	ایک کروڑ ۸۲ لاکھ ۳۸ ہزار	٪۰۱۵	۲۹ ہزار
سیلون	۲۵ ہزار تین سو	ایک کروڑ ۴ لاکھ ۴۲ ہزار	٪۷	۷ لاکھ ۳۰ ہزار ۹ سو
چین	۲۲ لاکھ ۷۹ ہزار	۶۸ کروڑ ۴۶ لاکھ	٪۱۱	۷ کروڑ ۵۵ لاکھ
کانگو	ایک لاکھ ۳۹ ہزار	۹ لاکھ	٪۱۵	ایک لاکھ ۲۸ ہزار
قبرس	۳ ہزار ۵ سو	۵ لاکھ ۸۰ ہزار	٪۱۳	ایک لاکھ ۹۱ ہزار
فرنندیو اور رامونی	دس ہزار ۸ سو	۲ لاکھ ۴۹ ہزار	٪۲۵	۶۲ ہزار
فیجی لینڈ	۷ ہزار	۴ لاکھ ۲۱ ہزار	۹۶ ″	۴۰ ہزار
فن لینڈ	ایک لاکھ ۳۰ ہزار	۴۵ لاکھ ۵ ہزار	۰۹ ″	۴ ہزار
فرانس	۲ لاکھ ۱۲ ہزار	۴ کروڑ ۶۷ لاکھ	۱۶۶ ″	۷ لاکھ ۶۱ ہزار
گیبن	ایک لاکھ ۲ ہزار	۴ لاکھ ۸۴ ہزار	۴۰ ″	ایک لاکھ ۷۹ ہزار

مملکت	رقبہ مربع میل	آبادی	فیصد	مسلم آبادی
جرمنی	ایک لاکھ ۴۳ ہزار	۷ کروڑ ۴۰ لاکھ ۱۷ ہزار	۰٫۰۵%	۳۷ ہزار
جارجین ایس ایس آر	۲۶ ہزار نو سو	۴۳ لاکھ ۴۲ ہزار	۱۹ 〃	۸ لاکھ ۲۴ ہزار
ہانگ کانگ	۳ سو ۹۱ مربع میل	۳۴ لاکھ ۱۰ ہزار	٫۲۵ 〃	۸ ہزار ۵ سو
ہنگری	۳۵ ہزار ۹ سو	ایک کروڑ ۰۷ ہزار	۵ 〃	۵۰ ہزار
ہندوستان	۱۲ لاکھ ۶۱ ہزار	۴۴ کروڑ ۱۶ لاکھ ۳۱ ہزار	۱۲ 〃	۵ کروڑ ۲۹ لاکھ ۹۵ ہزار
اطالیہ	ایک لاکھ ۱۶ ہزار	۵ کروڑ تین ہزار	٫۷ 〃	۳۵ ہزار
جاپان	ایک لاکھ ۴۲ ہزار	۹ کروڑ ۹۴ لاکھ ۳۰ ہزار	٫۵ 〃	۴۷ ہزار
کینیا	۲ لاکھ ۲۴ ہزار	۸۶ لاکھ ۷۶ ہزار	۱۹ 〃	۱۶ لاکھ ۴۸ ہزار
لائبیریا	۴۳ ہزار	۲۵ لاکھ	۳۰ 〃	۷ لاکھ ۵۰ ہزار
مالاگیزی جمہوریہ	۲ لاکھ ۲۸ ہزار	۵۷ لاکھ ۳۰ ہزار	۲۰ 〃	۱۱ لاکھ ۴۶ ہزار
مالٹا	ایک سو ۲۲	۳ لاکھ ۲۹ ہزار	۱۱ 〃	۳۶ ہزار
مارشیس	۷ سو بیس	۶ لاکھ ۸۲ ہزار	۱۷ 〃	ایک لاکھ ۱۵ ہزار
مولڈاوین ایس ایس آر	۱۳ ہزار	۳۱ لاکھ ۷۲ ہزار	۳ 〃	۹۵ ہزار
موزمبیق	۲ لاکھ ۹۷ ہزار	۶۶ لاکھ ۵۰ ہزار	۲۵ 〃	۱۶ لاکھ ۶۲ ہزار
نیپال	۵۴ ہزار مربع میل	۹۳ لاکھ ۸۸ ہزار	۳٫۸ 〃	۳ لاکھ ۵۶ ہزار
نیوزی لینڈ	ایک لاکھ تین ہزار	۲۵ لاکھ ۲۰ ہزار	٫۰۲ 〃	۵ سو
نیاسالینڈ	۴۹ ہزار	۲۹ لاکھ ۵۰ ہزار	۲۰ 〃	۵ لاکھ ۹۰ ہزار
شمالی رھوڈیشیا	۲ لاکھ ۸۷ ہزار	۲۵ لاکھ ۵۰ ہزار	۱۵ 〃	۳ لاکھ ۸۲ ہزار
فلپائن	ایک لاکھ ۱۵ ہزار	۲ کروڑ ۹۶ لاکھ ۹۸ ہزار	۱۰ 〃	۲۹ لاکھ ۶۹ ہزار
پولینڈ	ایک لاکھ ۲۰ ہزار	۳ کروڑ ۴ لاکھ ۸۳ ہزار	۲ 〃	۶ لاکھ ۹ ہزار
پرتگالی تیمور	۷ ہزار	۵ لاکھ ۱۷ ہزار	۲۰ 〃	ایک لاکھ تین ہزار
ری یونین	۹ سو ۶۹	تین لاکھ ۴۶ ہزار	۲۰ 〃	۶۹ ہزار
رومانیہ	۹۱ ہزار	ایک کروڑ ۸۶ لاکھ ۱۸ ہزار	٫۴ 〃	۷۴ ہزار
روس	۶۵ لاکھ ۹۳ ہزار	۱۲ کروڑ ۳۴ لاکھ ۱۴ ہزار	۶ 〃	۷۴ لاکھ ۶ ہزار
جمہوری جنوبی افریقہ	۴ لاکھ ۷۲ ہزار	ایک کروڑ ۲۲ لاکھ ۳۶ ہزار	۱٫۰۴ 〃	ایک لاکھ ۷۰ ہزار
جنوبی رھوڈیشیا	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	۳۸ لاکھ ۸۰ ہزار	۱۵ 〃	۵ لاکھ ۸۲ ہزار
سوازی لینڈ	۶ ہزار ۷ سو	۲ لاکھ ۷۵ ہزار	۱۰ 〃	۲۷ ہزار پانچ سو
جنوب مغربی افریقہ	۳ لاکھ ۱۸ ہزار	۵ لاکھ ۴۳ ہزار	۲ 〃	۱۰ ہزار چھ سو
یتیوان	۱۳ ہزار	ایک کروڑ ۱۶ لاکھ ۱۲ ہزار	۳۵ 〃	۴۰ لاکھ
تھائی لینڈ	۲ لاکھ	۲ کروڑ ۸۰ لاکھ	۱۱ 〃	۳۰ لاکھ ۸۰ ہزار
ترینیڈاڈ اور ٹوباگو	ایک ہزار ۸ سو	۸ لاکھ ۱۷ ہزار	۶ 〃	۵۲ ہزار
یوگینڈا	۹۳ ہزار نو سو	۶۸ لاکھ ۵۴ ہزار	۲۰ 〃	۱۳ لاکھ ۶۹ ہزار
یوکرین ایس ایس آر	۲ لاکھ ۳۲ ہزار	۴ کروڑ ۴۰ لاکھ ۴۵ ہزار	۱۲ 〃	۵۲ لاکھ ۸۶ ہزار
ویت نام	ایک لاکھ ۲۷ ہزار	۳ کروڑ ۹ لاکھ ۲۹ ہزار	۳ 〃	۹ لاکھ ۲۷ ہزار
یوگوسلاویہ	۹۸ ہزار ۷ سو	ایک کروڑ ۸ لاکھ ۱۴ ہزار	۱۳ 〃	۲۴ لاکھ ۹۴ ہزار

معرکۂ نور و ظلمت

"شواھد تقدس" کے جائزے کا بقیہ حصّہ

"شواہد تقدس" کے جائزے کا جتنا حصّہ قلتِ صفحات کی بنا پر روک لیا گیا تھا وہ اب حاضر ہے۔
جیساکہ ہم جائزے کے حصّہ اول میں بتا چکے ہیں ستمبر کا شمارہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور مجلسِ شوریٰ کے تمام اراکین کو بھیجا گیا۔ اس کے بعد پچھلا (اکتوبر و نومبر) کا شمارہ بھی ارسال کر دیا گیا اور اب یہ شمارہ بھی انشاء اللہ بھیجا جائے گا۔

جن چھ بزرگوں کو ہم نے ستمبر کے شمارے میں (آغاز سخن صفحہ پر) جج بنایا تھا ان میں سے ایک بزرگ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی تو ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ باقی پانچ اکابر کی قیمتی آراء کا انتظار ہے۔ تادمِ تحریر ہمیں ان میں سے کسی کا نامۂ گرامی موصول نہیں ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی وجہ ان حضرات کی غیر معمولی مصروفیات ہوں اور ویسے بھی ماہِ رمضان میں لکھنے پڑھنے کا کام عموماً مشکل ہی ہوتا ہے۔ اب توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ گرامی قدر ہستیاں اپنی رائے اور فیصلے سے تجلّی کو نوازیں گی۔ ہمارے لب و لہجے کی کڑواہٹ پر جن حضرات کو ناراضگی ہے وہ بلاشبہ ہمارے لئے سزا تجویز کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنا قصور تسلیم لیکن جذبۂ انصاف اور علمِ دین کی محبت کا تقاضا شاید یہ بھی ہے کہ وہ نفسِ کلام اور مضامین و مباحث کے بارے میں بھی اپنی محترم آراء کا اظہار فرمائیں۔ ہم نے تجلّی کے دو سو سے زیادہ صفحات میں مکمل حوالوں اور مفصّل دلیلوں کے ساتھ مولانا محمد میاں صاحب کے فرمودات پر مثبت اور منفی ہر پہلو سے بحث کی ہے۔ اسمیں اگر کہیں ہم سے علم و استدلال کی غلطی ہوئی ہو تو اس کی نشاندہی فرمائی جائے۔ ہم بڑی خوشی سے اسے شائع کریں گے۔
اور اگر محترم جج صاحبان نے کسی وجہ سے خاموشی ہی کو مناسب سمجھا تو یہ بہرحال ان کا فعل ہوگا۔ اس خاموشی سے یہ نتیجہ اخذ کرنا شاید غلط نہ ہو کہ ہمارے نقد و نظر میں انھوں نے کوئی غلطی محسوس نہیں فرمائی ہے۔ اگر محسوس فرماتے تو ضرور آگاہی بخشتے۔

ان بزرگوں میں سے جس کا بھی گرامی نامہ موصول ہوگا اسے ہم زیبِ تجلّی کر دیں گے۔ اگر تجلّی میں قارئین ایسا کوئی گرامی نامہ نہ دیکھیں تو وہ خود ان بزرگوں سے خط لکھ کر سکوت کی وجہ دریافت کر سکتے ہیں۔ ہم ان کے ڈاک کے پتے دیئے دے رہے ہیں:۔

(۱) حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم۔ دیوبند۔
(۲) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔ ندوۃ المصنفین۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶۔
(۳) حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی۔ ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ۔
(۴) حضرت مولانا منظور نعمانی بمعرفت "الفرقان"۔ کچہری روڈ۔ لکھنؤ۔
(۵) حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی۔ یو۔پی۔

عبداللہ بن سبا

ٹھیک ہے اس یہودی بچے کی بھی ایک کہانی ہے۔ بہت سے اور مورخین کی طرح میاں صاحب نے بھی مستقل عنوان دے کر متعدد صفحات لبریز کئے ہیں مگر ہم ایک سوال اہل علم سے کرنا چاہتے ہیں ـــــ کہ آخر کیا وجہ ہے کہ زمانۂ عثمانؓ کے قریب ترین علماءِ مغازی و سیر نے اس یہودی بچے کی داستانِ طویل سنانا تو درکنار ڈھنگ سے اس کا تعارف بھی نہ کرایا یہ عروہ ابن زبیر (متوفی ۹۴ھ) جن کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ مغازی و سیر کے بڑے عالم تھے اور صاحب کشف الظنون نے فن مغازی میں ان کی کتاب کو بعض حضرات کی رائے کے مطابق پہلی کتاب قرار دیا ہے۔ یہ شعبی (متوفی ۱۰۹ھ) یہ عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۱ھ) یہ امام زُہری (متوفی ۱۲۴ھ) یہ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) یہ محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) یہ احمد بن یحییٰ بلاذری (م ۲۷۹ھ) یہ ابن سعد (م ۲۳۰ھ) یہ علی ابن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ) ان میں سے کسی ایک کا نام تو لیجئے جس نے عبداللہ ابن سبا کی کہانی سنائی ہو۔ سن وفات ساتھ ساتھ ہیں دیکھ لیجئے کہ یہ عہدِ عثمانی سے کتنے قریب کے اربابِ سیرت و مغازی ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ ان میں سے بہت سوں کی کتابیں ناپید ہو گئیں تو ہم عرض کریں گے کہ ان کی روایات تو ناپید نہیں ہوئیں۔ بعد کے مؤرخین کی کتابوں میں جگہ جگہ ان کے نام اور ان کی روایات موجود ہیں۔ پھر سیرت ابن اسحاق کی شرح روض الانف[۱] اور ابن سعد کی "الطبقات الکبریٰ"، اور بلاذری کی "انساب الاشراف" تو آپ کے ہاتھوں میں ہے کہیں سے کھول کر دکھایئے کہ اس فتنۂ دوراں کا کوئی نام و نشان اتا پتا کہیں موجود ہے یا بس ہوا میں گرہیں لگائی جا رہی ہیں۔

یہ تو عجیب و غریب بات ہوگی کہ بعد کے مورخین جس فتنے کو ہاتھی جیسا قد آور باور کرا رہے ہیں وہ قدیم تاریخ نگاروں کے یہاں کبوتر جیسا بھی نظر نہیں آتا حالانکہ یہ فتنہ بعد کی نہیں دورِ عثمانی کی پیداوار ہے۔ ابتداءً اس فتنے کے ذکر و بیان کی ـــ جہاں تک ہم تحقیق کر سکے ابن جریر طبری کے یہاں سے ہوتی ہے جو تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں تاریخ نگاری کر رہے ہیں (متوفی ۳۱۰ھ) پھر ان کی ان روایات کا مصدر و ماخذ جن میں یہ فتنہ اچانک ایک دیو پیکر شکل میں نظر آتا ہے سیف بن عمر کے سوا کوئی نہیں۔ وہی سیف بن عمر جن کا حالِ زار ہم کتب فن سے نقل کر آئے ہیں ایک بار پھر وہاں دیکھ لیجئے کہ ان سے بڑھ کر ضعیف اور ساقط الاعتبار راوی کم ہی ملیں گے۔

نورٌ علیٰ نور یہ کہ یہ سیف عطیہ سے اور عطیہ یزید الفقعسی سے نقل کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو طبری ج ۵ ص ۹۸)۔ ذرا میاں صاحب سے کوئی دریافت کرے کہ ان دونوں صاحبوں کا پتہ نشان کن کتابوں میں ملے گا، دستیاب کتابیں تو ہم نے دیکھ ڈالیں یہ بزرگ کسی کونے میں موجود نہیں۔ اگر کسی تہہ خانے میں روپوش ہوں تو میاں صاحب ہی اس کا راستہ بتا سکتے ہیں۔

کتنا عبرت انگیز اور سبق آموز نظارہ ہے کہ اگر مودودی کی نقل کردہ کسی روایت میں کوئی راوی میاں صاحب کو مجہول نظر آیا تو تالی پیٹ دی کہ روایت ساقط الاعتبار لیکن خود کوئی چھوٹی موٹی روایت نہیں بلکہ ایک پوری داستان جو متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے ایسی سند سے پیش فرما رہے ہیں جس میں دو راوی قطعاً مجہول ہیں اور ان مجہولوں سے روایت کرنے والا کوئی ثقہ آدمی نہیں بلکہ ایک ایسا آدمی ہے جس کا غیر معتمد ہونا اربابِ فن میں مسلّم ہے یعنی سیف بن عمر۔ پھر داستان بھی ایسی کہ دو سو سالوں میں کسی نے نہیں سنائی اچانک طبری میں سیف بن عمر کے واسطے سے سنی گئی اور ایسے انداز میں سنی گئی گویا راوی صاحب ٹھیک حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں چل پھر کر نامہ نگاری کر رہے ہیں

اے قارئین! کیا اس موقعہ پر بیجا ہوگا اگر ہم قرآن پاک کی یہ آیات پڑھیں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ۔ (ترجمہ، خرابی ہے گھٹانے والوں کی۔ وہ لوگ جب کہ ماپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر تو گھٹا کر دیں۔ کیا خیال نہیں رکھتے وہ لوگ کہ ان کو اٹھنا ہے اس بڑے دن کے واسطے۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

[۱] سیرت مبارکہ کے ذیل میں حضرت عثمان رضؓ کا ذکر آتا ہی ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کے ذیل میں کہیں اس فتنۂ دوراں کا ذکر دکھایا جائے۔

میاں صاحب صفحہ ۷۵ سے "عبداللہ بن سبا" کا عنوان جلی قائم کرکے صفحہ ۸۲ تک ایک ایسی مربوط اور مفصل کہانی سناتے چلے جاتے ہیں گویا کوئی ڈھلا ڈھلایا افسانہ ملاءِ اعلیٰ سے اترا چلا آرہا ہے۔ ان کا خاص کمال یہ ہے کہ سیف بن عمر کی پروازِ تخیل میں جہاں ذرا ڈھیلا پن محسوس ہوا وہاں اپنے تخیل کی گرہ لگادی تاکہ کساؤ پیدا ہوجائے۔ پھر ایسی کوئی علامت وہ نہیں دیتے جس سے پتہ چلے کہ کتنا مضمون طبری کا ہے اور کتنا ان کا اپنا۔

ہمارے لئے بغیر کسی معقول شہادت کے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ابن سبا واقعی اتنا بڑا امام الاشرار تھا کہ صحابہ اور تابعین سب اس سے مات کھا گئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی تصویر بنانے میں سیف یا کسی اور اللہ کے بندے نے روایتی عمرو عیار کے کردار سے مدد لی ہو۔ دو سو برس تک کوئی کہانی سننے میں نہیں آتی پھر دفعتاً ایک مرتب اور مبسوط کہانی خدا جانے کس تہہ خانے سے نکال کر لائی جاتی ہے۔ اگر یہ ہماری معلومات کا نقص ہے کہ طبری سے قبل اس ڈرامائی داستان کا سراغ نہیں پاسکے ہیں تو مہربانی ہوگی اگر میاں صاحب یا کوئی اور بزرگ نشان دہی فرمادیں تاکہ ہم نااہلوں کے علم میں اضافہ ہو لیکن اگر یہ ممکن نہیں ہے اور کہانی کی شاندار بسم اللہ طبری ہی سے ہوئی ہے تو ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا نام ہے ہتھیلی پر سرسوں جمانا۔ بعد کے ہزار آدمی بھی اس داستان کو قبول کرلیں تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ عمارت بغیر بنیاد کے کاغذ پر تو بن سکتی ہے اینٹ اور پتھر کی دنیا میں نہیں بن سکتی۔

ویسے ہمیں اس معاملے میں اصرار کچھ نہیں ہے۔ ابن سبا کا استاذ الاساتذہ ابلیس تو بہرحال ہر دور اور ہر مقام پر محفل طراز رہا ہی ہے لہذا ابن سبا کے ہونے نہ ہونے سے کیا خاص فرق پڑتا ہے۔

ہمیں کہنا تو کچھ اور ہی ہے۔ میاں صاحب نے اسی عنوان کے تحت صفحہ ۷۷ پر یہ تحریر فرمایا ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال اٹھا تھا کہ جو جائدادیں وحی الٰہی کی تصریح کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص کردی گئی ہیں وہ وارثوں کو تقسیم کی جائیں مگر جب یہ سمجھایا گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی وارث پوری امت ہوتی ہے اور آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ آپ کا ترکہ پوری امت کے لئے صدقہ (وقف) ہوگا تو ترکہ اور ورثہ کا سوال تو ختم ہوگیا۔ البتہ یہ بات تسلیم کرلی گئی تھی کہ سیدالانبیاء کے وارث اس وقف کے متولی ہوں۔ چنانچہ سیدنا عباسؓ اور سیدنا حضرت علیؓ کو ان جائیدادوں کا متولی بنادیا گیا تھا"

یہ عبارت مزید سات سطروں تک چلی گئی ہے اور اس کے اختتام پر طبری ج ۵ ص ۹۸ کا حوالہ ہے۔ اس کا مطلب یہی ہونا چاہیئے کہ یہ سب طبری میں موجود ہے۔ لیکن ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ سب طبری میں نہیں بلکہ میاں صاحب کے دماغ میں ہے جو ان کے اپنے ہی الفاظ میں کاغذ پر ٹپکا ہے۔ اس کے بعد کی سطریں بیشک مفہوم کی حد تک طبری کی ہیں۔ مگر کسی کے بس میں نہیں کہ طبری سے مقابلہ کئے بغیر یہ پتہ لگا سکے کہ کتنا مضمون طبری کا ہے اور کتنا میاں صاحب کا۔

اور دوسرا اصل اعتراض یہ ہے کہ میاں صاحب نے یہاں بھی اپنی معلوم بے علمی کا ثبوت پیش کیا۔ خدا جانے انھوں نے بخاری کیسے پڑھی ہے اور کس سے پڑھی ہے۔ اگر ڈھنگ سے نہیں پڑھی تھی تو کچھ اور پڑھکر اس کمی کو پورا کرلیتے اور اگر یہ بھی ممکن نہ تھا تو مصنف بننا آخر انھیں کس حکیم نے نسخے میں لکھدیا تھا

حقیقت کیا ہے!

یہ بات اہل علم کے لئے محتاج بیان نہیں ہے کہ حضورؐ کے پاس متعدد جائدادیں تھیں۔ مدینے میں، فدک میں، خیبر میں۔ مدینے میں بنونضیر کے چھوڑے ہوئے سات مکان، مخزیق یہودی کی وہ زمین جس کی وصیت اس نے اسلام لاتے وقت غزوۂ احد کے دن حضورؐ کے لئے کی تھی۔ ایک وہ زمین جو انصار نے آپؐ کو دی تھی۔

فدک میں اس زمین کا نصف جو اہل فدک سے صلح کے

بدلے حاصل ہوئی تھی، نیز وادی القریٰ کی اس زمین کا ⅓ حصہ جو یہودیوں نے صلح کی قیمت میں دی تھی۔

خیبر کے دو قلعے الوطیح اور السلالم نیز فتوحات خیبر کا خمس اور وہ سہم جو دوسرے مسلمانوں کی طرح حضورؐ کے حصے میں بھی آیا تھا۔

یہ تفصیلات کتب حدیث میں بکھری ہوئی ہیں۔ امام نووی کی شرح مسلم میں انھیں یک جا بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ (کتاب الجہاد والسیر۔ باب حکم الفیٔ) مقامیت کے تعلق سے ان زمینوں کو تین اکائیوں میں بانٹا گیا ہے۔ فدک، خیبر، مدینہ

اب اس تفصیل کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے بعد جب سیدہ فاطمہ رضؓ اور حضرت عباس رضؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے وراثت طلب کی تو انھوں نے دینے سے معذوری ظاہر فرمائی کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے

لا نورث ما ترکنا صدقۃ	ہمارا کوئی وارث نہیں۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا صدقہ ہے۔

اس ارشاد رسولؐ سے حضرت علی رضؓ سمیت بہتیرے صحابہ واقف تھے لہٰذا حضرت ابوبکر رضؓ کے اختیار کی بات نہیں تھی کہ قانون شرعی کو بدل دیں۔ (یہ حدیث اور اس مضمون کی متعدد حدیثیں تقریباً تمام ہی کتب حدیث میں موجود ہیں۔ بخاری کتاب الجہاد۔ کتاب المغازی۔ کتاب الفرائض، کتاب المناقب، مسلم، کتاب الجہاد۔ ترمذی۔ کتاب السیر۔ نسائی کتاب قسم الفیٔ۔ مسند احمد۔ مرویات ابوبکرؓ و مرویات عمرؓ)

ابوبکر صدیق رضؓ کے بعد حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے مدینے کی جائداد حضرت علی رضؓ اور حضرت عباس رضؓ کے سپرد اس شرط کے ساتھ کی کہ اس کی آمدنی کو اسی طرح صرف کیا جائے گا جس طرح حضورؐ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس جائداد کے سلسلے میں حضرت علیؓ و عباسؓ کے مابین کچھ جھگڑا ہوا تو وہ حضرت عمر رضؓ کے پاس آئے تاکہ تصفیہ کرائیں۔ اس کی تفصیلات بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں۔ ہم فقط اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ فدک اور خیبر کی جائداد کا متولی کبھی بھی علی و عباس رضی اللہ عنہما کو نہیں بنایا گیا بلکہ وہ خلافت راشدہ کے اختتام تک خلیفہ ہی کی تولیت میں رہی۔

ثبوت میں چند حوالے حاضر ہیں۔ اسی بخاری میں جسے میاں صاحب پڑھاتے ہیں کتاب المغازی باب حدیث بنی النضیر و مخرج رسول اللہ الیہم الخ میں ایک طویل روایت مالک بن اوس رضؓ سے مروی ہے جس میں صراحت موجود ہے کہ:-

وھما یختصمان فی التی افاء اللہ علی رسولہ من بنی النضیر الخ	وہ دونوں اس جائداد کے بارے میں جھگڑ رہے تھے جو اللہ نے اپنے رسولؐ کو بطور فیٔ بنی نضیر سے دلائی تھی۔

یہ بنی نضیر والی جائداد حضورؐ کی مدینے والی جائداد ہی کا ایک حصہ تھی۔ اسی کو حضرت عمر رضؓ نے مذکورہ دونوں بزرگوں کی تولیت میں دیا تھا نہ کہ خیبر اور فدک والی جائدادوں کو بھی (درمیان صفحات اگر باب وغیرہ سے بھی یہ حوالہ نہ ڈھونڈھ سکیں تو لیجئے مزید تفصیل حاضر ہے۔ بخاری جلد ثانی صفحہ ۵۷۵ مطبوعہ اصح المطابع)

مزید اسی بخاری میں جلد اول کتاب الجہاد باب فرض الخمس اور مسلم میں کتاب الجہاد والسیر باب حکم الفیٔ میں یہ وضاحت ملاحظہ کرلی جائے۔

فاما صدقتہ بالمدینۃ فدفعھا عمرُ الی علیٍّ و عباسٍ فغلبہ علیھا علیٌّ واما خیبر وفدک فامسکھما عمرُ وقال ھما صدقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانتا لحقوقہ التی تعروہ ونوائبہ وامرھما الی من ولی الامر قال	پس حضورؐ کا مدینے والا صدقہ (جائداد) حضرت عمر رضؓ نے حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کو دیدیا۔ پس علیؓ اس کے معاملے میں عباسؓ پر غالب آگئے۔ رہا خیبر اور فدک والا صدقہ تو ان دونوں کو حضرت عمر رضؓ نے اپنے ہی پاس روک لیا اور کہا کہ یہ دونوں جائدادیں اُن حقوق کی ادائیگی کے لئے تھیں جو حضورؐ کو درپیش آتے رہے اور ان دونوں کا بندوبست اس کے سپرد ہے جو خلیفہ بنے۔ حضرت عروہ ابن زبیر رضؓ نے جو حضرت عائشہ رضؓ سے یہ روایت لے رہے ہیں کہا کہ

فھما علیٰ ذٰلک الی الیوم — وہ دونوں جائدادیں آج تک ایسے ہی انتظام میں چل رہی ہیں۔

اب میاں صاحب کی منقولہ بالا عبارت ایک بار پھر پڑھ لیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ ان کے علم کا کیا حال ہے۔ آپ نے ابھی دیکھا کہ مقامیت کے اعتبار سے حضورؐ کی متروکہ جائدادوں کی تین قسمیں تھیں (۱) فدک (۲) خیبر (۳) مدینہ۔ عباسؓ و علی رضی اللہ عنہما کو متولی صرف مدینے کی جائداد کا بنایا گیا مگر میاں صاحب بلا تکلف ساری ہی جائدادوں کو بصیغۂ جمع اور بلا استثناء اس زمرے میں لے رہے ہیں۔

ایسی سمجھ بوجھ اور ایسے علم و خبر والے حضرات اگر "خلافت و ملوکیت" جیسی کتابوں کا تعقب کرنے لگیں تو اسے "علامات قیامت" کے سوا کس فہرست میں درج کیا جائے گا۔

حدیث کا یہ ٹکڑا کہ علی رضؓ اس جائداد کے معاملہ میں عباسؓ پر غالب آگئے ہماری بحث سے غیر متعلق ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ دونوں میں بہت کافی جھگڑا ہو گیا تھا اور حضرت عباس رضؓ کا خیال یہ تھا کہ علی رضؓ کچھ گڑبڑ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ محض غلط فہمی رہی ہوگی۔ رضی اللہ عنہما۔

ابن سبا کی آڑ میں

یہ تو ہم عرض کر چکے کہ ابن سبا سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہمارے خیال میں اس کی سادہ سی تصویر میں بہت سے رنگ اُن نامسعود زمانوں میں بھرے گئے ہیں جب شیعانِ علی اور ان کے مخالفین ایک دوسرے کی آبرو سے کھیلنا دنیا کا سب سے دلچسپ مشغلہ تصور کئے ہوئے تھے۔ شیعوں کے مخالفین نے ابن سبا کے معمولی سے جُثّے میں بانس کی ٹانگیں اس لئے لگائیں تاکہ دوہرا فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ ایک یہ کہ اس دلچسپ ڈرامائی تکنک سے ان حقائق کو مشتبہ بنانا آسان ہو جائے جن سے حضرت عثمان رضؓ اور ان کے بنائے ہوئے عاملوں اور افسروں پر اعتراض کی راہ نکلتی ہے۔ دنیا کو یقین دلایا جائے کہ اصلاً خرابی کچھ نہیں تھی سارا فساد ابن سبا نے پھیلایا اور دوسرے یہ کہ شیعوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ خراب فضا پیدا کرنے کے لئے ابن سبا کی داستان کو زلف در زلف بنانے اور خوب خوب رنگ دینے سے بڑھکر حربہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت علی رضؓ کے ثنا خوانوں کے ہر عقیدے کو ابن سبا سے جا ملانا اور یہ ثابت کرنا کہ ان کا مصدر و منبع اور ملجاء و ماویٰ ایک یہودی شیطان ہے ظاہر ہے سیاسی سطح پر بڑے نفع کا سودا تھا۔ کم خرچ اور بالا نشین۔

اگر ہم واقعی مان لیں کہ ابن سبا ایسا ہی تھا جیسا پوز کیا جاتا ہے تو اربابِ فہم ہمیں بتائیں کہ آخر حضرت معاویہ یا عبداللہ بن عامر یا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جیسے اربابِ سیف نے اس کی زبان منھ کے اندر کیسے رہنے دی جبکہ اُس بدبخت نے مسلمانوں میں یہ بکواس شروع کی کہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح محمد رسول اللہؐ بھی دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اس بکواس کے ساتھ آیتِ قرآنی کو بھی استدلال میں پیش کیا۔ نہ سہی سزائے قتل۔ اتنا تو بہرحال آسان تھا کہ اس یہودی نومسلم کو قید میں رکھا جاتا یا کوڑوں سے اس کی کھال اُدھیڑ دی جاتی۔ کیا صحابہ کے اُس معاشرے میں کوئی ایک بھی ثقہ آدمی ایسا تھا جو اس قانون شرعی سے واقف نہ ہو تا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ یہودی جب اسلام سے آیا تو اب اس کا کفر بکنا ارتداد ہی کے ہم معنی تھا، قرآن کی آیات سے کھیل کرنا اور ایسے خیالات زبان پر لانا جو صریحاً خلافِ قرآن ہوں، خلافِ اجماع ہوں، خلافِ حدیث ہوں کوئی ڈھکا چھپا ارتداد نہیں تھا۔ پھر کیسے یہ شیطان آزاد چھوڑ دیا گیا اور کیونکر اس کی نوبت پہونچی کہ بے شمار صالحین اور اتقیاء بھی اس کے بھرّے میں آگئے۔

یاد کیجئے مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابوذر غفاری رضؓ بڑے زور شور سے آواز اُٹھاتے ہیں کہ ضرورت سے زائد سارا مال صدقہ کر دینا فرض ہے۔ اس آواز کے پیچھے وہ آیت قرآنی اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الآیہ بھی رکھتے ہیں اور بات اگرچہ غلط ہے مگر اتنی گمراہ کن بھی نہیں کہ زندقہ وارتداد کا شبہ کیا جا سکے، لیکن کیا ایک بھی قابلِ ذکر آدمی نے اسے قبول کیا۔ کیا معلوم و معروف قانونِ شرعی کے خلاف ایک صحابی کی رائے دماغوں میں گھس سکی۔ قطعاً نہیں۔ اس کے برخلاف لوگوں نے ان کا مذاق اُڑایا یہ آیت ان کی چڑھ بنالی۔ جوان اور بذلہ سنج لوگ ان کے پیچھے

پڑگئے یہاں تک کہ راستوں میں مضحکہ اڑانے والی ٹولیوں نے انھیں گھیرا۔ اس آفت کے نتیجے میں وہ ربذہ نامی قریہ میں گوشہ گیر ہوگئے اور آخر کار دنیا سے چل بسے۔

پھر یہ ابن سبا کیسا جادوگر تھا کہ طرح طرح کی خرافات بکتا ہے، صریح گمراہی پھیلاتا ہے اور اللہ کے دین سے کھلا تمسخر کرتا ہے مگر ہدفِ استہزاء اور نشانۂ تضحیک بننے کے بجائے لیڈر بن جاتا ہے، دلوں میں اُتر جاتا ہے، کھوپڑیوں میں گھس جاتا ہے مصر میں اس کا ہیڈ کوارٹر ہے مگر عبداللہ بن ابی سرح اس کے کان نہیں پکڑتے، ہونٹوں پر قفل نہیں چڑھاتے۔ اُسے ٹھاٹ سے فتنے اٹھانے اور گل کھلانے کی چھوٹ ملی رہتی ہے۔

میاں صاحب نے ابن سبا کی دلچسپ کہانی کو طبری سے نقل کرتے ہوئے اپنے خیالی افسانوں کے ساتھ جس مقصد سے شاملِ کتاب کیا ہے وہ یہ ہے کہ دورِ عثمانی کے سارے فتنوں کو وہ ابن سبا کے نامۂ اعمال میں لکھ دینا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ابن سبا اینڈ کمپنی نے عثمانی حاکموں کی زیادتیوں کے قطعاً جھوٹے افسانے گھڑے اور پھیلائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"پَر کا کوا نہیں بنایا گیا کیونکہ پر کوئی تھا ہی نہیں بلکہ بے بنیاد شکایات تصنیف کی گئیں"۔ (ص۹۵)

اب ہم اس مسخرے پن کا کیا جواب دیں۔ مستند علماءِ سلف وخلف کے حوالوں سے اتنا کچھ آپ ملاحظہ فرما چکے۔ تھوڑا سا اور ہدیۂ خدمت ہے۔

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۶ و ۱۶۷ پر لکھتے ہیں:۔

"مخالفین کی جماعت نے کچھ آدمی حضرت عثمان رض کی خدمت میں بھیجے تاکہ وہ ان سے اس معاملے میں بحث کریں کہ آپ نے بہتیرے صحابہ رض کو عہدوں سے ہٹا کر ان کی جگہ بنوامیہ میں سے اپنے اقرباء کو لابٹھایا ہے۔ چنانچہ ان آدمیوں نے حضرت عثمان رض سے بڑی تیز گفتگو کی اور شد و مد سے مطالبہ کیا کہ اپنے رشتہ داروں کو عہدوں سے ہٹا کر دوسروں کو ان کی جگہ دیں"۔

پھر حافظ ابن کثیر ص ۱۶۸ پر فرماتے ہیں:۔

"بڑے بڑے صحابہ کو عہدوں سے ہٹا کر حضرت عثمان رض نے اپنے رشتہ داروں کو جو گورنریاں دی تھیں اس پر مخالفین اعتراض کرتے تھے اور یہ بات بکثرت لوگوں کے قلوب میں گھر کر گئی تھی"۔

ایسے حالات میں وہ جلیل القدر صحابہ ہی کیونکر صورت حال کی اصلاح کر لیتے جو مدینے میں موجود تھے۔ کیا ابن کثیر کیا ابن خلدون کیا ابن جریر سب کی روایات سے ظاہر ہے کہ معدودے چند اصحاب کے علاوہ کوئی صحابی ایسا نہ رہ گیا تھا جو حضرت عثمان رض کی حمایت اور دفاع میں دادِ بحث دینے کی پوزیشن میں ہوتا۔ انھیں حضرت سے ہمدردی اور محبت ضرور تھی مگر تلخ حقائق کو وہ کیونکر افسانہ ثابت کر سکتے تھے۔ وہ کیسے معترضین سے کہہ سکتے تھے کہ خلیفہ کا کوئی رشتہ دار گورنر نہیں ہے۔ وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ اکابر صحابہ معزول نہیں کئے گئے۔ وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ مالی رُخ پر حضرت عثمان رض کی روش وہی ہے جو شیخین کی تھی۔

البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۸ و ۱۶۹ پر الکامل (ابن اثیر) جلد ۳ ص ۷۶ پر، طبری جلد ۳ ص ۳۷۷ پر اور ابن خلدون تکملہ جلد دوم ص ۱۴۳ پر جو گفتگو حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی نقل کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رض پوری دیانت کے ساتھ یہ رائے رکھتے تھے کہ جب تک حضرت عثمان رض اپنی مجموعی روش نہ بدلیں گے فتنے کی آگ فرو نہ ہو سکے گی۔ حضرت عثمان رض جب یہ کہتے ہیں کہ اے علی! میں نے جن لوگوں کو عہدے دیئے ہیں آخر عمر رض نے بھی انھیں عہدے دیئے تھے تو حضرت علی رض صاف کہہ دیتے ہیں کہ آپ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ درگذر اور نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں جبکہ عمر رض کا حال یہ تھا کہ اگر کسی گورنر کی کوئی قابلِ اعتراض بات ان تک پہونچی ہے تو بلا تاخیر انھوں نے اس کی گوشمالی کر ڈالی ہے۔

حضرت عثمان رض معاویہ رض کا نام لیتے ہیں کہ کیا عمر رض نے

انھیں گورنر نہیں بنایا۔ حضرت علی رضؓ جواب دیتے ہیں کہ بنایا تھا مگر عمر رضؓ کی بات کیا کرتے ہو۔ ان سے تو معاویہ رضؓ اتنا ڈرتے تھے کہ عمر رضؓ کا غلام یرفا بھی اتنا نہ ڈرتا ہوگا۔ اور آپ کا معاملہ یہ ہے کہ معاویہ جو مرضی چاہے کر ڈالتے ہیں پھر... یہ کہدیتے ہیں کہ یہ عثمانؓ کا حکم ہے اور آپ انھیں کچھ نہیں کہتے،

کیا حضرت عائشہ رضؓ کیا حضرت طلحہ رضؓ کیا حضرت زبیر رضؓ سبھی کو حضرت عثمان رضؓ سے دلی تعلق تھا ہمدردی تھی مگر سبھی اس سے بھی کبیدہ خاطر تھے کہ اقربا کے سلسلہ میں وہ اپنا رویہ نہیں بدلتے۔ یہ سب اسی طبری میں موجود ہے جسے میاں صاحب کھوئے ہوئے ہیں۔ طبری ہی نے طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ :-

انما اردنا ان یستعتب امیر المؤمنین عثمان رضؓ ولو نرد قتلہ فغلب سفہاء الناس الحکماء حتی قتلوہ	ہمارا منشا، تو صرف یہ تھا کہ امیر المؤمنین عثمان رضؓ اپنی روش بدل دیں۔ انھیں قتل کر ڈالا جائے یہ تو ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا لیکن سنجیدہ و متحمل لوگوں پر احمق لوگ غالب آگئے اور انھوں نے قتل تک نوبت پہنچادی۔

پھر یہی طبری بتاتی ہے کہ حضرت عثمان رضؓ آخر میں قطعاً آمادہ ہو گئے تھے کہ اپنی روش بدلیں اور اہل الرائے کی رائے پر چلیں مگر اشرار نے انھیں مار ڈالا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اس صورتِ حال کو ان الفاظ میں تعبیر کیا ہے کہ :-

"حضرت عثمان رضؓ سے ان لوگوں نے توبہ کرالی تھی پھر بھی انھیں مار ڈالا۔"

لیکن میاں صاحب جیسے بڑی آنکھ والوں کو کچھ نظر نہیں آتا اور بڑے اطمینان سے وہ سارے حقائق کو عبداللہ ابن سبا کی دم سے باندھے دے رہے ہیں۔ یہ خوش فکرے اپنے مطلب کے لئے "الاصابہ" کھولتے ہیں اور ادھورے فقرے وہاں سے اُٹھاتے ہیں مگر یہ دیکھنا پسند نہیں کرتے کہ الاصابہ کے مصنف ابن حجرؒ شہادتِ عثمان رضؓ کے بارے میں اپنا خیال کیا ظاہر فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو الاصابہ جلد ۲ ص ۴۵۵ وص ۴۵۶ -

"حضرت عثمان رضؓ کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ شہری علاقوں کے فرماں روا ان کے رشتہ داروں میں سے تھے، شام کُل کا کُل معاویہ رضؓ کے زیرنگیں تھا بصرہ سعید بن عاص کے زیر تسلط تھا، مصر پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی حکومت تھی اور خراسان میں عبداللہ بن عامر مسند آرا تھے۔ ان علاقوں سے آنے والے حاجی اپنے حاکم کی شکایت کرتے مگر حضرت عثمان رضؓ نرم طبیعت کے کثیر الاحسان اور حلیم (لکینُ العریکہ کثیر الاحسان و الحلم) آدمی تھے۔ اپنے بعض حاکموں کو بدل کر شکایت رفع کردیتے مگر پھر ان کا کہیں تقرر فرما دیتے۔"

اب اگر سیف بن عمر جیسے راویوں کی داستانِ لطیف کی آڑ لے کر میاں صاحب دنیا کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ شکایتیں وکایتیں سب فرضی تھیں۔ یہ تو ابن سبا کی اسکیم چل رہی تھی کہیں کسی عثمانی عامل نے کوئی زیادتی نہیں کی تھی تو ایسی شعبدہ گری انھیں مبارک۔ ہم تو ابن حجر، ابن اثیر، ابن خلدون ابن کثیر اور انور شاہ کشمیری رحمہم اللہ جیسے بزرگوں کو زیادہ ثقہ سمجھتے ہیں جو ہتھیلی پر سرسوں جمانا اور ہوا میں گرہیں لگانا پسند نہیں کرتے۔ جن کا ایمان انھیں مجبور کرتا ہے کہ سچائی کو مانیں خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔

واقدی

محمد بن عمر الواقدی جتنے مشہور ہیں اتنے ہی بدنام بھی ہیں۔ ہم ان کے بارے میں زیادہ بحث اس لئے کرنا نہیں چاہتے کہ مولانا محمد میاں صاحب انھیں بالکل ہی کذاب اور لپاٹیا قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر یہ کسی ثقہ سے روایت کریں تو معتبر ہے۔ ہم بھی اس سے زیادہ کے دعویدار نہیں۔ مگر ہمارا یہ خیال ضرور ہے کہ ناقدین سلف نے ان پر نقد و نظر میں تشدد برتا ہے اور تشدد کی وجہ یہ رہی کہ ان بزرگوں کے دل و دماغ

میں اصول روایت کے وہ معیار جا گزیں تھے جو احادیثِ رسول کے لئے مقرر کئے گئے تھے - واقعی ان معیاروں پر تو واقدی دو منٹ بھی اپنے پیروں پر کھڑے نہیں رہ سکتے - لیکن ہماری ناقص رائے میں واقدی کے متعلق وہ رائے بہترین رائے ہے جو مولانا مناظر احسن گیلانی[1] رح نے اپنی کتاب "امام ابو حنیفہ رح کی سیاسی زندگی" میں ص ۴۵۴ و ۴۵۵ حاشیہ) ظاہر کی ہے - فرماتے ہیں

> "ان کا نام کسی روایت کی وقعت کو کھو دینے کے لئے لینا ایک شدید اور خطرناک مغالطہ ہے مجھے تو اس میں بھی غیروں کی دسیسہ کاری کی جھلک نظر آتی ہے - حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں جہادی روح تر و تازہ رکھنے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ واقدی کی کتابوں کا بھی ایک ہزار سال سے بہت بڑا حصہ ہے ..... ائمۂ فقہاء نے واقدی کے متعلق جو کچھ بھی لکھا ہے اس کا تعلق احکام و عقائد کی حدیثوں سے ہی ہے جس سے اسلامی قانون پیدا ہوتا ہے بہرحال مؤرخ ہونے کی حیثیت سے کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے دوسرے مؤرخوں کی صف میں مسلمانوں کا یہ مؤرخ کسی حیثیت سے بھی ناقابلِ اعتماد سمجھا جائے -"

مسلمانوں کے سوا دنیا کی کسی قوم کا کوئی بڑے سے بڑا مؤرخ ہمیں بتائیے جس پر اعتماد کرنے کے لئے آپ کے پاس وہ دلائل موجود ہوں جن کی روشنی میں واقدی کو جھوٹا اور وضّاع قرار دیا جاتا ہے - واقدی کم سے کم یہ تو بتاتے ہیں کہ میں نے فلاں سے اور فلاں نے فلاں سے سنا - کیا دنیا کے غیر مسلم مؤرخین بھی ایسا کوئی التزام کرتے ہیں؟ غیر مسلم تو کجا خود مسلم مورخین بھی بعد کی تاریخوں میں اس التزام کو باقی نہیں رکھ سکے ہیں - کیا ہندوستان کے شاہان اسلام کی تاریخ کسی بڑے سے بڑے مؤرخ نے بھی ایسے کسی اطمینان بخش اسلوب سے بیان کی ہے جس پر وہ اعتراضات واقع نہ ہو سکتے ہوں جو واقدی پر واقع کئے جاتے ہیں -

دین بیشک بہت بلند چیز ہے عقائد اور احکام کا بلاشبہ یہ درجہ ہے کہ کسی ضعیف روایت کو ان کا مبنیٰ نہ بنایا جائے جب امام شافعی رح یہ کہتے ہیں کہ کتبُ الواقدی کذبٌ تو ان کا محورِ خیال ایک ایسا معیار ہوتا ہے جو بیشک ان جیسے فقیہ کے لئے بہت موزوں ہے - وہ اگر معیارِ اعلیٰ کو ملحوظ نہ رکھتے تو قانون شرعی کی مشاطگی اور تزئین کیسے کرتے - اسی طرح ابن حجر یا ذہبی یا دیگر ائمہ فن اگر اپنی کتابوں میں واقدی کو جرحوں کا نشانہ بناتے ہیں تو وہ ٹھیک ہی کرتے ہیں کیونکہ وہ تو حدیثِ رسول کی صیانت و حفاظت کی خاطر راویوں کا زائچہ بنا رہے ہیں انھیں بے حد محتاط خوردہ گیر اور بے رحم ہونا ہی چاہیئے -

لیکن یہی بزرگ جب احکام و عقائد سے ہٹ کر دوسرے میدانوں میں اشہبِ خامہ کو ایڑ لگاتے ہیں تو واقدی کی روایات سے ذرا پرہیز نہیں کرتے - ہم نے حصہ اول صفحہ ۱۳۳ پر یہ لکھا تھا کہ :-

> "مولانا مودودی نے واقدی کی قدح میں قدرے مبالغہ ہی کر دیا ورنہ نقطۂ اعتدال کچھ اور ہے -"

منشاء اس تحریر کا یہ تھا کہ احکام و عقائد کے باب میں بھی واقدی بالکل ہی ساقط الاعتبار نہیں ہیں - اس کا ثبوت ہم "نصب الرّایہ" کی مثال سے پیش کر چکے - بیشک ایسی کوئی روایت ان کی احکام و عقائد کے باب میں استعمال نہیں کی جا سکتی جس میں وہ "متفرد" ہوں - لیکن جب کسی اور روایت سے بھی ایک مضمون ثابت ہو رہا ہو تو واقدی کی گواہی اسے توانائی ضرور دے سکتی ہے - جن بزرگوں نے واقدی کو "کذاب" کہا ہے ہمیں

---

[1] ہمیں بے حد افسوس اور ندامت ہے کہ ماضی بعید میں ہماری گستاخ قلم سے بعض الفاظ مولانا گیلانی رح کیلئے نامناسب نکل گئے تھے یہ ہماری جہالت تھی کہ ہم نے ان کی تحریریں پڑھی نہیں تھیں بعد میں جب ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ وہ تو بحر العلوم تھے بڑے باخدا اور انصاف پسند تھے غیر معمولی طور پر نکتہ رس اور ذی البصیرت اگر وہ زندہ ہوتے تو ہم ان کے پیر پکڑ کر معافی چاہتے وہ اللہ کے جا چکے اسلئے ہم اپنے اشکہائے ندامت صرف باری تعالیٰ کے حضور پیش کرتے رہے ہیں

نہیں معلوم کہ ان کے پاس کیا دلائل تھے۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جھوٹ کے مرتکب اصلاً وہ راوی ہوں جن پر واقدی بسبب اپنی سادہ لوحی کے اعتبار کررہے ہیں۔

بہرحال ہمیں واقدی کی تضعیف یا تعدیل سے زیادہ دلچسپی نہیں۔ البتہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وہ لوگ واقدی پر آنکھیں نہ نکالیں جو دوسرے مورخین کے معاملہ میں ان شرائط کی پرواہ نہیں کرتے جن کا مطالبہ وہ واقدی سے کرتے ہیں ہمارے دور کے بہتیرے خوش فکروں کا تو یہ حال ہے کہ کسی بھی تاریخی بحث میں وہ بلا تکلف یہ ارشاد فرمادیتے ہیں کہ ارے صاحب "سرالیگزنڈر" نے یہ لکھا ہے۔ "سرگلبرٹ" نے ایسا بیان کیا ہے۔ "لارڈ میور" یہ کہتا ہے۔ اور یہ ارشاد فرمانے کے بعد وہ اس طرح فخر سے گردن اکڑاتے ہیں جیسے ساتویں آسمان سے برہانِ قاطع اتار لائے ہوں۔ مگر جب واقدی کی بات آجائے تو بہت برا سا منہ بناکر کہتے ہیں کہ میاں کس غبی کی بات کرتے ہو۔

حالانکہ بے لاگ انصاف کرو تو ہمارا واقدی ان سب سے مضبوط ہے۔ وہ نام تو بتاتا ہے کہ کس نے کس سے اور کس سے کس نے فلاں بات بیان کی۔ یہ دوسرے مؤرخین پانچسو سال پہلے کی خبریں بیان فرماتے ہیں مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتے کہ فلاں مؤرخ نے ایسا لکھا تھا۔ بس۔ اب سوچے جائیے کہ فلاں مؤرخ کو امر واقعہ کیسے معلوم ہوا اور وہ خود بھی سچا ہے یا جھوٹا۔ کسی بھی تاریخ کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی نہیں ہیں۔ خوش اعتقادی کے تحت اعتماد کرلو ہم تو سچی بات ہے اپنے واقدی اور سیف بن عمر کو اتنا گیا گذرا نہیں قرار دے سکتے کہ بے سند خبریں دینے والے بھی ان پر فوقیت لے جائیں۔ یہ ہمارے بزرگ حدیث کے معیارِ اعلیٰ سے بلاشبہ فروتر ہیں مگر دنیا کے ان تمام مؤرخین سے فائق ہیں جو یہ نہیں بتا سکتے کہ فلاں واقعہ ان تک کس سند سے پہونچا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(آگے ص ٦٧ پر)

جاتے جاتے

کتاب ختم کرتے کرتے میاں صاحب نے جو تحفہ عنایت فرمایا ہے اسے بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"محترم سید ابوالاعلیٰ مودودی اگر اپنے شیعی ہونے کا اعلان فرما دیں تو پھر ہمیں ان کے کسی اعتراض کے جواب دینے کی ضرورت نہ ہو" ص۱۹۹

اس کا ترکی بہ ترکی جواب تو یہ ہے کہ میاں صاحب اگر اپنے فاتر العقل ہونے کا اعلان فرما دیں تو ہم بھی آئندہ ان کی کسی تحریر پر تنقید کی ضرورت نہیں سمجھیں گے۔ جس طرح ہندوستان کے فرقہ پرست اور "قوم پرور" حلقوں نے ہر دین پسند جماعت اور فرد کے لئے لفظ "پاکستانی" گھڑ لیا ہے اور اپنی ہر زیادتی اور فرقہ پرستی کو چھپانے کے لئے بے محابا اس سیاسی گالی کو استعمال کرتے رہتے ہیں اسی طرح میاں صاحب اور ان جیسے دیگر نام نہاد مولانا "خلافت و ملوکیت" کے خلاف اپنے تعصبات اور بغض و حسد کا بخار نکالتے ہوئے شیعیت کی گالی ضرور زبان سے نکالتے ہیں۔

علمی جواب یہ ہے کہ مولانا مودودی خلفائے راشدین کے بارے میں ٹھیک وہی عقیدہ رکھتے ہیں جس پر امت مجتمع ہے۔ یعنی چاروں خلفاء کی فضیلت بھی انکی ترتیب خلافت ہی کے مطابق ہے۔ وہ شخص مفتری ہے جو اس کے سوا کوئی عقیدہ مولانا موصوف کی طرف منسوب کرتا ہے۔ خود میاں صاحب نے اپنی پوری کتاب میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش تو ضرور کی ہے کہ مودودی نے حضرت عثمانؓ کی توہین کی لیکن یہ اعتراض نہیں اٹھایا کہ مودودی حضرت عثمانؓ کو خلیفۂ راشد نہیں مانتا یا وہ حضرت علیؓ کو ان پر فوقیت دیتا ہے۔ جب یہ اعتراض نہیں اٹھایا تو "شیعی" قرار دینے کی جسارت سوائے ظلم اور کذب و افتراء کے اور کس عنوان کی مستحق ہو سکتی ہے۔

الزام تشیّع کی علمی حیثیت

یہ نکتہ بہت توجہ سے سننے کے لائق ہے کہ آج سے چھ سات سو برس پہلے تک تشیّع کی اصطلاح جس مفہوم میں استعمال ہوتی رہی ہے وہ بعد میں بالکل بدل گیا ہے۔ آج اگر ہم کسی پر شیعیت کا الزام لگاتے ہیں تو اس کا واحد مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص خلفائے ثلثہ کی خلافتوں کو "راشدہ" نہیں مانتا بلکہ صرف حضرت علیؓ کو اولاً اور آخراً خلیفۂ راشد یا مانتا ہے۔ جائزے کے حصّۂ اول میں صفحہ ۱۵ پر ہم "شیعہ سنی" موضوع کے ماہرِ خصوصی حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی تحفۂ اثنا عشریہ سے یہ مضمون نقل کر آئے ہیں کہ شدہ شدہ شیعوں میں جن عقائد و خیالات پر اجماع ہوتا چلا گیا ہے ان کی قدرِ مشترک یہ ہے کہ حضرت علیؓ امام بلا فصل ہیں اور باقی تینوں خلفاء کی خلافت و امارت بے اصل ہے ظاہر ہے کہ اس صورتِ حال میں جو شخص مولانا مودودی پر شیعیت کی پھبتی کستا ہے وہ اتنا بڑا تہمت باز ہے کہ اگر عدالت اسلامیہ قائم ہو تو اس پر تہمت تراشی کی حد جاری کی جائے۔

لیکن اسلام کی پہلی چھ سات صدیوں میں شیعیت کی یہ قدرِ مشترک منقح اور معروف نہیں تھی چنانچہ پیچھے آپ صفحہ ۶۴ پر حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۱۱۶ کے حوالے سے دیکھ آئے کہ محدّث سلیمانی نے جن بہت سے بزرگوں کو "شیعہ" قرار دیا ہے ان میں امام ابو حنیفہؒ بھی ہیں۔

کیوں؟ ــــ اس لئے کہ امام صاحب اگرچہ فضیلت کی ترتیب میں تو وہی رائے رکھتے ہیں جو اہلِ سنت کی معروف رائے ہے لیکن ذاتی طور پر حضرت علیؓ انھیں حضرت عثمانؓ سے زیادہ محبوب تھے۔ (ملاحظہ ہو کردری کی "مناقب الامام الاعظم" جلد دوم۔ صفحہ ۳-۴ــ۱۶۴)

ایسا ہونا قدرتی بھی تھا۔ امام اعظم ایک علمی مزاج

اور مجتہدانہ سیرت لیکر پیدا ہوئے تھے۔ ان کو طبعی طور پر ان صحابہؓ سے خصوصی تعلقِ خاطر ہونا ہی چاہئے تھا جو علم و تفقہ میں نمایاں درجہ رکھتے ہوں۔ مراتب اُخروی کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کا مقام حضرت علیؓ سے کچھ بلند ہو یہ اور بات ہے مگر علم و تفقہ میں حضرت علیؓ کا ممتاز اور نمایاں ہونا ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جو واقعات سے بھی ثابت ہے اور زبانِ رسالت سے بھی اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔ پھر کیوں نہ امام ابو حنیفہؒ کا ذہن ان کی طرف زیادہ مائل ہوتا۔

یہی نہیں۔ اجتماعی سطح پر عقیدۂ جمہور سے اتفاق کرنے کے باوجود انفرادی و ذاتی سطح پر امام صاحب کی رائے یہ تھی کہ عثمانؓ و علیؓ دونوں ٹکر کی شخصیتیں ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا بہت مشکل ہے۔ (ملاحظہ ہو شمس الائمہ سرخسی کی شرح السیر الکبیر جلد اول صفحہ ۱۵۷ و ۱۵۸۔ اور حافظ ابن عبد البر کی الانتقاء صفحہ ۱۶۳)۔

پھر امام صاحب اس رائے میں اکیلے نہیں ہیں۔ امام مالکؒ اور یحییٰ بن سعید القطانؒ بھی (جو فنِ جرح و تعدیل کے معروف اساتذہ میں ہیں) اسی رائے کے حامل تھے (ملاحظہ ہو ابن عبد البر کی الاستیعاب جلد دوم ص۴۶۷)

ظاہر بات ہے کہ جس رائے کو ایسی بڑی شخصیتوں نے اختیار کیا ہو وہ ادنیٰ درجے میں بھی گمراہی یا گناہ کے الزام سے مجروح نہیں کی جا سکتی۔ لیکن بعض ناقدوں نے اسی رائے کی بنا پر ابو حنیفہؒ سمیت متعدد بزرگوں کو "شیعہ" قرار دیا اور ان کا مطلب اس لفظ سے انھیں مطعون کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے خاص موقف کا اظہار کرنا تھا۔

علی بن عبد اللہ بن جعفر ابو الحسن ابن المدینی امام بخاریؒ کے استاد ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذ التلمیذ۔ یعنی یحییٰ القطان ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ اور ابن المدینیؒ ان کے شاگرد۔ اس طرح یہ بزرگ علمی جہت سے نجیب الطرفین

کہے جائیں تو مبالغہ نہیں۔ لیکن میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۲۳۰ پر ملاحظہ فرمالیا جائے یہ الفاظ ملیں گے:۔

قال احمد ابن خثیمہ فی تاریخہ سمعت یحییٰ بن معین یقول کان علی ابن المدینی اذا قدم علینا اظہر السنۃ واذا ورد الی البصرۃ اظہر التشیع۔	احمد ابن خثیمہ اپنی تاریخ میں یحییٰ بن معین کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ ابن المدینی جب ہمارے یہاں تشریف لاتے تھے تو وہ اپنی باتوں سے اہل سنت والے خیالات کا اظہار کرتے تھے لیکن جب بصرہ تشریف لے جاتے تو وہاں اپنی باتوں سے تشیع ظاہر فرماتے تھے۔

ظاہر بات ہے کہ یہاں تشیع ٹھیک اسی مفہوم میں بولا گیا ہے جس مفہوم میں سلیمانی نے امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے لئے بولا تھا۔ اس کے وہ معنی ہرگز نہیں ہیں جو آج شائع ذائع ہو چکے ہیں۔

مفسر شہیر ابن جریر طبری کا ترجمہ میزان الاعتدال جلد دوم صفحہ ۳۵ پر ملاحظہ فرمایا جائے۔ ان کے بارے میں بھی یہ ریمارک ملے گا کہ ان میں تشیع تھا۔ لیکن وہیں حافظ ذہبیؒ یہ بھی تنبیہ کرتے ہیں کہ لا تضر یعنی ایسا تشیع جو ذرا بھی مضر نہیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے سلیمانی کا یہ قول تو نقل کیا کہ کان یضع للروافض (وہ رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑتے تھے) مگر ہاتھوں ہاتھ یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ:۔

ھذا رجم بالظن الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین۔	یہ سراسر جھوٹی بدگمانی ہے۔ ابن جریر تو اسلام کے بڑے بڑے معتمد علیہ ائمہ میں سے ہیں۔

✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧

حقیقت یہ ہے کہ آج کل جن معروف معنوں میں لفظ "شیعہ" بولا جاتا ہے زمانۂ سابق میں ان کے لئے لفظ "رافضی" مستعمل تھا۔ اگر کسی شخص میں ایسا تشیع پایا جائے جو گمراہی کے مرادف ہو تو اس کی طرف رفض کی نسبت کی جاتی تھی شیعیت کی نہیں۔ سلیمانی نے جب امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کی

طرف شیعیت کی نسبت کی تو کسی کو اس کی تردید کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ اگر شیعیت کا مصداق اُس وقت وہی ہوتا جو آج ہے تو امام صاحب کے معتقدین لازماً بڑے شدّو مد سے اس کی تردید کرتے۔ ابھی آپ نے دیکھا کہ حافظ ذہبیؒ کو ابن جریر کے اندر تشیّع کی موجودگی ذرا قابلِ اعتراض محسوس نہیں ہوئی بلکہ وہ خود صراحت کرتے ہیں کہ ان کا تشیّع مضر نہیں۔ البتہ جب سلیمانی یہ فضول گوئی کرتے ہیں کہ ابن جریر روافض کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے تو ذہبیؒ فوراً ٹوک دیتے ہیں کہ کیوں غلط گوئی کرتے ہو۔

اگر دیدہ ریزی کی جائے تو اسماء الرجال کی کتابوں میں پچاسوں ایسے بزرگ مل جائیں گے جو عقائد کے اعتبار سے "سُنّی" ہیں، علم و تقویٰ کے اعتبار سے معیاری ہیں مگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے میں انھیں تأمل ہے۔ اسی بنیاد پر بعض ناقدین نے انھیں "شیعہ" کہہ دیا ہے۔ اس سے نہ تو ان کی ثقاہت میں فرق آیا نہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہوئے۔

اس تفصیل سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ میاں صاحب جیسے قلیل العلم لوگ جب اسماء الرجال کی کسی کتاب سے یہ نقل کرتے ہیں کہ دیکھئے صاحب فلاں راوی کو شیعہ بتایا گیا ہے بھلا اس کی روایت کیسے قابلِ اعتبار ہو، تو یہ ایک غیر سنجیدہ اور قابلِ مذمّت حرکت ہوتی ہے جس پر امام لکھنویؒ نے الرفع والتکمیل میں خوب خوب ڈانٹا اور تنبیہ کی ہے۔

دوسرے یہ کہ آج ہماری بول چال میں شیعیت اور تشیّع کے الفاظ جس مفہوم و مصداق میں رائج ہو گئے ہیں وہ اُس سے مختلف ہے جو زمانۂ قدیم میں ان سے لیا جاتا تھا لہٰذا آج کسی شریف عالم اور خدا ترس مولوی کا یہ وطیرہ ہرگز نہیں ہونا چاہئیے کہ کسی ایسے مسلمان کو ان اصطلاحوں کا ہدف بنائے جو چاروں خلفاء کو خلفاءِ راشدین مانتا ہو اور سوائے اس کے کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں بعض اٹل تاریخی حقائق کو اس نے قبول کیا ہو اور کوئی بات اس میں شیعوں جیسی نہ پائی جاتی ہو۔ مولانا مودودی نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ سے افضل ہیں۔ نہ انھوں نے اس سے انکار کیا کہ ان کی فضیلتیں ترتیبِ خلافت کے مطابق ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی صاحبِ علم مسلمان حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت نہ بھی دیتا ہو اور اس کا خیال یہ ہو کہ حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کی افضلیت قوی دلائل سے ثابت نہیں ہے تب بھی اس پر شیعیت کا الزام لگانا کچّے، کم فہم، غلو پسند اور غیر محتاط لوگوں کا کام تو ہو سکتا ہے، اُن ذی فہم، پختہ کار، عادل پسند اور محتاط علماء کا نہیں جو جانتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک جیسے ائمۂ اکرام کی ذاتی رائے، رجحان اور خیال کیا تھا۔

ہمارے زمانے میں بڑی آفت یہ ہو گئی ہے کہ ہر گروہ تعصب، غلو اور تقلیدی جمود کا شکار ہے۔ وہ ذرا کسی کو اپنے مسلک و موقف سے بال برابر ہٹا ہوا دیکھتا ہے تو شور مچا دیتا ہے کہ یہ شخص گمراہ ہوا۔ اس کی وجہ جہالت بھی ہے اور تزکیۂ نفس سے محرومی بھی۔ جب نفس مُزکّیٰ نہ ہو تو نفسانیت ہی کا سکّہ چوٹی سے ایڑی تک چلتا ہے۔ نفسانیت کے بے شمار مظاہروں میں بدترین مظاہرہ یہ "مودودی دشمنی" بھی ہے جس کی رگ رگ میں تقلیدی کورنگاہی، زہر آلود گروہ بندی، سفاک تعصّب اور متکبرانہ خود پرستی خون بن کر دوڑ رہی ہے۔

آپ نے سنا ہو گا حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مودودی کو "خارجی" بنایا اور اب یہ مرید باصفا مولانا محمد میاں اسے "شیعہ" بنا رہے ہیں ۔۔ کیا خوب مسخرہ پن ہے۔ خارجیت اور شیعیت ایک دوسرے کی ضد۔ خوارج تو حضرت علیؓ کو کافر تک کہتے تھے اور شیعہ حضرات میں سے بعض نے حضرت علیؓ کو خدا کی مسند پر بٹھا دیا۔ دونوں ایک دوسرے کے حریف۔

آگ اور پانی۔ سیاہی اور سفیدی۔ مگر واہ رے دین کے امانت دارو! چت اور پٹ دونوں آپ کی۔ وہی مودودی خارجی بھی ہے اور شیعہ بھی۔ کالا بھی ہے اور گورا بھی۔ طویل القامت بھی ہے اور پستہ قد بھی۔

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں

ہمیں برملا غرناطہ کے امام شاطبیؒ یاد آگئے آٹھویں صدی ہجری کا یہ امام جلیل علماء کی صف میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ ان کی کتاب الموافقات اہلِ علم کے حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ یہ اپنی کتاب الاعتصام کے آغاز میں اپنی روداد لکھتے ہیں کہ جب میں نے احیائے سنت اور اماتئے بدعت کی راہ پر قدم بڑھایا تو میرے لئے ایک قیامت کھڑی ہوگئی۔ جدھر سے دیکھو ملامتوں کی بوچھار ہو رہی ہے۔ جسے دیکھو خفا ہے۔ برملا کہا جا رہا ہے کہ یہ شخص بدعتی اور گمراہ ہے۔ کبھی کہا گیا کہ او ہو یہ شخص تو رافضی اور دشمن صحابہؓ ہے۔ کبھی کہا گیا کہ اسے تو اولیاء اللہ سے عداوت ہے۔ کبھی کہا گیا کہ یہ اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہے۔ میری حالت امام شہیر عبدالرحمٰنؒ بن بطہ جیسی ہوگئی جو خود اپنی سرگذشت بیان کرتے ہیں کہ سفر و حضر میں ہر طرح کے لوگوں سے میرا واسطہ پڑا اور ان کے طرزِ عمل نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ ان کا حال یہ تھا کہ دینی مسائل میں جو کچھ بھی ان کے مزعومات تھے اگر میں نے حرفاً حرفاً ان کی تصدیق کردی تب تو مجھے اپنا موافق سمجھ لیا مگر ذرا بھی کسی پہلو سے اختلاف کیا تو میرا نام "مخالف" رکھ لیا گیا۔ اور اگر ان میں سے کسی سے میں نے کہدیا کہ تمہارا فلاں خیال و عقیدہ قرآن و سنت کے خلاف ہے تو اس نے مجھے "خارجی" بنادیا۔ اور اگر میں نے توحید کی کوئی حدیث اس کے آگے پڑھ دی تو میرا نام "مشبّہ" رکھا گیا اور اگر رویتِ باری کے سلسلے میں کسی حدیث کا ذکر کیا تو نام رکھا گیا "سالمیہ" اور اگر ایمان کی کوئی حدیث ذکر کی تو کہا گیا کہ یہ تو "مرجیہ" ہے۔ اور اگر اعمال کی حدیث زبان پر آئی تو کہہ دیا گیا یہ "قدریہ" ہے۔ اور اگر معرفۃ کی حدیث ہوئی تو نام رکھا گیا "کرامیہ" اور اگر ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل میں کچھ کہا تو فیصلہ کیا گیا کہ یہ "ناصبی" ہے اور اگر فضائل اہل بیت ہونٹوں پر آئے تو کہا گیا "رافضی" ہے اور اگر کسی آیت اور حدیث کی تفسیر بیان کرنے سے میں نے دامن بچایا تو طعن کیا گیا کہ یہ تو "ظاہری" ہے۔ اور اگر تفسیر کی تو نام رکھا گیا "باطنی" اور اگر میں نے تاویل کی راہ اختیار کی تو کہا گیا یہ "اشعریہ" ہے۔ اور اگر ان دونوں صورتوں کو میں نے رد کیا تو کہا گیا "معتزلی" ہے۔ وغیر ذلک۔ حالانکہ حقیقت اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ میں تو اللہ کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کا دامن پکڑنے والا ہوں اور اللہ سے استغفار کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ غفور رحیم ہے۔ (الاعتصام جلد اول صفحہ ۱۸ تا ۲۰)۔

امام شاطبیؒ آگے سیّد العباد بعد الصحابہؓ حضرت اویس قرنیؒ کا یہ ارشاد بھی نقل کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاصہ ہی یہ ہے کہ دوست دشمن بن جاتے ہیں۔ میں نے لوگوں کو معروف کا حکم کیا تو وہ میری آبرو پر کیچڑ اچھالنے لگے اور اس مخالفت میں فساق و فجار بھی ان کے معاون بن گئے۔ (ص ۲۱)

دیکھ رہے ہیں اے قارئین کرام! کتنی ہو بہو تصویر ہے مولانا مودودی کی جو کم و بیش چھ سو سال پہلے کے آئینۂ ایام میں نظر آرہی ہے۔ قرآن و سنت کے حاملین کو رافضی اور خارجی اور الابلا جو چاہے بنا ڈالنا جاہلوں اور بدعتیوں ہی کا نہیں تنگ نظر اور غبی قسم کے عالموں کا بھی دلچسپ مشغلہ رہا ہے۔ اب مثلاً امام ابو اسحاق شاطبیؒ کو رافضی اور دشمن صحابہؓ کیوں کہا گیا ـــ فقط اس بات پر کہ انھوں نے کہیں یہ کہدیا تھا کہ خطباتِ جمعہ میں خلفائے راشدین کے ذکر کو ضروری سمجھنا حکمِ شریعت نہیں ہے۔

یہ بات ذرا بھی غلط نہیں تھی۔ امام شاطبیؒ سے

پہلے علماءِ کرام نے اپنے خطبوں میں اس کا التزام نہیں کیا، اور نہ قرآن وسنت سے ایسا حکم ملتا ہے۔ ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ خلفائے راشدین کا ذکرِ خیر ممنوع ہے۔ وہ تو فقط اس غلط العام خیال کی تردید کرنا چاہتے تھے کہ خطبہ اگر خلفائے راشدین کا ذکر کئے بغیر تمام کر دیا جائے تو اس میں کچھ نقص رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کا موقف بالکل درست تھا لیکن دینِ حق کے ایسے ہی نادان دوستوں نے جیسے ہمارے مولانا محمد میاں صاحب ہیں فوراً تالی پیٹ دی کہ شاطبیؒ تو پکا رافضی ہے۔ اسے تو صحابہؓ سے عداوت ہے۔

امام ابن جریر طبری بھی شیعہ!

نام نہاد علماء کا تو ذکر نہیں۔ حقیقی اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ ابن جریر طبری کتنے بڑے امام اہل سنت تھے۔ اپنے زمانے کے بے نظیر عالم۔ کیا علم و معرفت، کیا زہد و تقویٰ، کیا عقائد و افکار سب کے رُخ پر قرآن وسنت کے زندہ پیکر۔ لیکن ان کا قصور یہ تھا کہ امام احمد ابن حنبلؒ کو وہ محدث ضرور مانتے تھے مگر فقیہہ نہیں مانتے تھے۔ حنبلی حضرات ان سے خفا ہو گئے۔ بس پھر کیا تھا شروع ہوگئیں افترا پردازیاں۔ بعض کاریگروں نے یہ شوشہ نکالا کہ وہ وضو میں پیروں کو دھونا ضروری نہیں سمجھتے بلکہ مسح کو کافی سمجھتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ سچ بھی ہوتا تو اس پر رفض و شیعیت کا فتویٰ لگانا ایسا ہی تھا جیسے آدمی کو گدھا محض اس مشابہت کی بنا پر کہدیا جائے کہ دونوں کے منھ میں زبان ہے۔ یا دونوں کے چہرے پر دو کان اور دو آنکھیں ہیں۔ قرآن کی آیت میں یقینی طور پر ایسی گنجائش موجود ہے کہ ایک عالم پیروں کے مسح کو درست سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ ایسی غلط فہمی کو رفض وغیرہ در کنار ادنیٰ درجے کی گمراہی بھی نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن وہاں تو معاملہ یہ تھا کہ ابن جریرؒ کی طرف غلط طور پر یہ رائے منسوب کر دی گئی تھی۔ ان کی تفسیر قرآن موجود ہے۔ وہ تو دھونے کے ساتھ "دلک" کو بھی واجب کہہ رہے ہیں۔ یعنی رگڑنا۔ لیکن غیر ذمہ دار حضرات نے دلک کا مطلب مسح نکالا اور کہدیا کہ ابن جریرؒ کے نزدیک پیروں کا دھونا اور مسح کرنا ایک ہی حکم میں ہے۔ نہ دھو تو مسح کر لو۔

حد ہوگئی کہ جب ابن جریرؒ مرے تو انھیں حنابلہ نے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دیا بلکہ بیچارے اپنے گھر ہی میں دفن کئے گئے۔ انھیں صرف رافضی ہی نہیں کہا گیا بلکہ حافظ ابن کثیرؒ تو بتاتے ہیں کہ ومن الجھلۃ من رماہ بالالحاد وحاشاہ من ذلک کلہ بل کان احد ائمۃ الاسلام علماً وعملاً بکتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔ (بعض جہلاء نے انھیں ملحد بھی قرار دے ڈالا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام افترا پردازیوں سے بلند تھے۔ وہ تو ائمۂ اسلام میں سے ایک امام تھے۔ ان کا علم اور عمل سب قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھلا تھا۔ البدایۃ والنھایۃ جلد ۱۱ صفحہ ۱۴۶)

تنگ نظر علماء اور متعصب کیش جہلاء کی جراحت کاریوں سے داعیانِ حق اور صالحین میں سے کون بچا ہے۔ کیا ابوحنیفہؒ، کیا بخاریؒ، کیا ابن حنبلؒ، کیا ابن تیمیہؒ، کیا غزالیؒ۔ یہ المناک داستان تو روزِ ازل سے یوں ہی چلی آرہی ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام تک مستثنیات میں نہیں ہیں۔ انھیں بھی ابنائے زمانہ نے اسی طنز، سب وشتم، ایذا رسانی اور جدل و مخالفت کا نشانہ بنایا۔ پھر کیا ماتم کیجئے کہ مودودی کو کوئی خارجی بتاتا ہے، کوئی شیعہ، کوئی جکڑالی، کوئی منکرِ حدیث، کوئی جاہ و مال کا طالب، کوئی اولیاء اللہ کا دشمن۔ جتنے منھ اتنی ہی باتیں۔ بہت جلد وہ وقت آرہا ہے جب ایک ایک کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہوگا اور اس وقت پتہ چلے گا کہ تعصب اور جہالت کی رَو میں کسی پر بے تحاشہ الزام لگانا کتنا مہنگا پڑا ہے۔

خاتمۂ کلام

یہ عنوان خود میاں صاحب کا ہے۔ کتاب ختم کر کے انھوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ خلافتِ راشدہ کیونکر ملوکیت میں تبدیل ہوئی۔ ہم اس کے بارے میں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے اپنی قابلیت سے بہت آگے کی جرأت کر ڈالی ہے۔ اس نوع کے دقیق مسائل کی عقدہ کشائی اور تجزیہ و تحلیل کے لئے جس درجے کی فراست، بصیرت اور علمی پختگی درکار ہے اس کے مقام رفیع سے میاں صاحب اتنی ہی دُور ہیں جتنی آسمان سے زمین۔ بے میل، بے ربط اور سطحی باتوں کی الٹ پلٹ کو انھوں نے "تاریخی تنقید" تصور فرما لیا ہے۔ نہ صغریٰ کبریٰ ہیں کوئی منطقی ربط، نہ مقدّم اور تالی کی چولیں درست۔ نہ دلیل اور دعوے میں مطابقت۔ نہ علت اور معلول میں یک جہتی۔ ناقص اور پراگندہ معلومات کے دھاگوں میں بچکانہ جذبات کے کچھ پھول گوندھ کر انھوں نے سمجھا ہے کہ ہم نے موضوع کا حق ادا کر دیا۔

بہر حال خوش فہمیوں کا علاج تو کسی کے پاس نہیں۔ ہم نمونتہً اس شاندار تجزیئے پر کچھ روشنی ڈالے دیتے ہیں تاکہ قارئین کرام اندازہ فرما سکیں کہ قربِ قیامت کی علامتیں کس تیزی سے ظاہر ہوتی جا رہی ہیں۔

پہلا لطیفہ تو اس تجزیہ کا یہی ہے کہ میاں صاحب نے بڑے طمطراق سے ابن خلدون کے متعدد فرمودات کام میں لئے ہیں۔ ساتھ ہی ان کی شان میں "دقیق النظر محقق" کے الفاظ بھی عطا ہوئے۔ حالانکہ جائزے کے پچھلے اوراق میں آپ دیکھ چکے کہ یہی ابن خلدون ہیں جن کی داڑھی بڑی بے تکلفی کے ساتھ میاں صاحب نے کھینچی تھی۔ بات مزیدار ہے اسلئے پھر دہرا دیں کہ جب مودودی نے ابن خلدون کی ایک روایت خمس کی خرید و فروخت اور پھر اس کی معافی کے سلسلے میں نقل کی تو میاں صاحب نے لال پیلی آنکھیں کر کے فرمایا:-

"یہ خرید و فرخت کب ہوئی اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے معاف فرما دی۔" (شواہد تقدس ص ۱۷۱)

گویا ابن خلدون میاں صاحب کے نزدیک ہرگز اس لائق نہیں کہ ان کی دی ہوئی کوئی اطلاع بغیر فوٹو کے قبول کی جا سکے۔ فوٹو بھی ہم قیاساً کہہ رہے ہیں ورنہ میاں صاحب کے تیور تو اس "کب" اور "کیا" میں ایسے ہیں جیسے وہ مودودی کو للکار رہے ہوں کہ ابن خلدون کو ان کی قبر سے اکھاڑ کر ہمارے سامنے پیش کرو تاکہ وہ ثابت کریں کہ اپنی تاریخ میں انھوں نے یہ روایت کیسے لکھی۔

لیکن کم و بیش ۵۰ صفحات کے بعد ہی میاں صاحب بھول گئے کہ ابن خلدون کو میں کیسی پٹخنی دے آیا ہوں۔ اب تو وہ اس طرح ان کے فرمودات نقل کر رہے ہیں جیسے ان سے زیادہ ثقہ اور مستند آدمی بطنِ گیتی سے پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

دوسری بات

میاں صاحب صـ ۲۲۳ اور صـ ۲۲۴ پر خاصے شاعرانہ انداز میں یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ جب ایک سپہ سالار جن کا شمار عشرہ بشرہ میں ہے جنگ جیت کر مال غنیمت حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیجدیتے ہیں اور پھر خود ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو حضرت عمرؓ سوال کرتے ہیں:-

> "معاہدے کی شرائط کیا ہیں؟ کیا ان پر صحیح صحیح عمل ہوا؟ یہ ثابت کرو کہ جو مطالبات ان پر ڈالے گئے وہ ان کی طاقت و استطاعت سے زائد نہیں ہیں۔ تم نے یہ کثیر رقم بیت المال کیلئے بھیجدی۔ تم نے اس کے وصول کرنے میں دباؤ سے کام لیا ہے؟"

یہ گویا خود میاں صاحب کی زبان سے اس بات کا اقرار ہوا کہ مالِ غنیمت وغیرہ کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کا طرزِ فکر کیا تھا۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ سب سے بڑھ کر اہمیت ان کی

نظر ہیں نہ فتح وظفر کی ہے نہ مالِ غنیمت کی بلکہ فکر انھیں یہ لگی ہوئی ہے کہ جو بھی کامیابی حاصل ہوئی اس میں کہیں ظلم اور خلافِ شرع عمل کا داغ دھبّہ تو نہیں۔ اور جتنا بھی مالِ غنیمت وصول ہوا اس کی تحصیل کہیں زیادتی اور سفّاکی کی نجاست سے تو آلودہ نہیں ہے۔

اب آئیے عہدِ عثمانیؓ کی طرف۔ حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنایا ہے۔ یہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان کا تعارف حصہ اول کے ص۲۳۷ و ص۲۴۷ پر ہو چکا۔ مختصراً پھر دہرا دیں۔ یہ ایک بار اسلام لا کر مرتد ہو چکے ہیں۔ مشرکین میں حضورؐ کا مذاق اُڑاتے تھے۔ جھوٹ گھڑتے تھے۔ پھر مکہ فتح ہوا تو حضرت عثمانؓ انھیں ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کے بارے میں حضورؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ جہاں مل جائیں مار ڈالو۔ حتیٰ کہ اگر خانہ کعبہ کے پردے سے بھی لپٹے ملیں تو معاف مت کرو۔ حضرت عثمانؓ ان کی سفارش کرتے ہوئے خواہش کرتے ہیں کہ ان کی بیعت لے لی جائے۔ حضورؐ خاموش رہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ پھر عرض کرتے ہیں کہ بیعت فرما لیں۔ حضورؐ اب بھی اعتنا نہیں فرماتے۔ آخر کار تین بار اصرار کرنے پر حضورؐ بیعت لے لیتے ہیں مگر جب حضرت عثمانؓ انھیں ساتھ لے کر واپس چلے جاتے ہیں تو حضورؐ موجود صحابہؓ کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں تھا جو یہ دیکھ کر کہ میں ابن سرح کی بیعت میں دیر کر رہا ہوں اسے قتل کر ڈالتا۔ صحابہؓ جواب دیتے ہیں کہ اے اللہ کے رسول! ہم حضورؐ کے اشارے کے منتظر تھے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ نبی کا یہ کام نہیں کہ آنکھ سے خفیہ اشارہ کرے۔

تو یہ تھے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔ یہ مصر کے گورنر بنتے ہی پہلے سال میں چالیس لاکھ کی رقم حضرت عثمانؓ کو بیت المال کے لئے روانہ کرتے ہیں جب کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے زمانے میں آمدنی بیس لاکھ سے زائد نہ تھی۔ اس موقع پر تاریخ نے ایک مکالمہ بھی محفوظ کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے مصر کے سابق گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ سے طنزاً فرمایا:۔

"اے ابن العاصؓ! تمھارے بعد مصر کی اونٹنیوں نے زیادہ دودھ دیا!"

ابن العاص نے جواب دیا۔ "ہاں لیکن ان کے بچے سب بھوکوں مر گئے۔"

اس مکالمہ کو ابن اثیرؒ، ابن جریر اور بلاذری سب نے بیان کیا ہے۔ خود میاں صاحب اسے ص۱۶۸ پر نقل فرما رہے ہیں۔

اب اس موقع پر ہم مولانا محمد میاں صاحب سے سوال کرنا چاہیں گے کہ کیا حضرت عثمانؓ نے بھی چالیس لاکھ کی وصولی پر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح سے حضرت عمرؓ کی طرح یہ سوال کیا تھا کہ اے عبداللہ! تم نے جو پہلے ہی سال میں چالیس لاکھ وصول کر لئے تو ذرا ثابت تو کرو کہ اس میں ظلم اور دھونس کی آمیزش تو نہیں؟ کہیں رعایا پر ناجائز دباؤ تو نہیں ڈالا؟

حالانکہ حضرت عمرؓ والے واقعے سے دس گنا بڑھ کر اس موقع پر ضرورت تھی کہ حضرت عثمانؓ یہ سوالات کرتے اور جب تک ان کا معقول اور اطمینان بخش جواب حاصل نہ ہو جاتا چین سے نہ بیٹھتے۔ غور کیجئے۔ حضرت عمرؓ کے پاس جو صحابی مالِ غنیمت لائے ہیں وہ کون ہیں۔ امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ۔ انھیں "امین" کا لقب دنیا نے نہیں دیا بلکہ عالمِ بالا کی خبریں دینے والے صادق ومصدوقؐ نے دیا۔ بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

لکلّ امّۃ امینٌ وامین ھذہ الامۃ ابوعبیدۃ بن الجراح۔	ہر امت کے لئے ایک امین ہے اور اس (میری) امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اگر

حضور صلعم کسی کو صراحۃً اپنا خلیفہ بناتے تو پہلے ابوبکر رضؓ کو پھر عمر رضؓ کو پھر ابن ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کو بناتے۔

بخاری و مسلم دونوں میں حضرت حذیفہ رضؓ سے مروی ہے، کہ جب اہلِ نجران نے حضور صلعم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلعم ہمارے علاقے میں کسی امانت دار کو بھیجئے تو حضور صلعم نے فرمایا لَاَبْعَثَنَّ اِلَیْکُمْ رجلاً امیناً حَقَّ امین (یقیناً بھیجوں گا میں تمہاری طرف ایک ایسے مرد امین کو جو بلا شبہ اس کا مستحق ہوگا کہ اسے امین سمجھا جائے) پھر جس شخص کو آپ نے بھیجا وہ ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ تھے۔

حق یہ ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضؓ ان خاص الخاص صحابہ رضؓ میں سے تھے جن کی دنیا سے بے رغبتی، اور عقبیٰ سے دلچسپی اپنا جواب آپ تھی۔ غالباً یہ واحد صحابی ہیں جن کے سخت لب و لہجہ کا جواب حضرت عمر رضؓ نے سختی سے نہیں دیا۔ عمواس کی وبا میں حضرت عمر رضؓ آرڈر دیتے ہیں کہ لشکر اس مقام سے چل کھڑا ہو جہاں اس نے پڑاؤ کیا ہے ان کا خیال تھا کہ یہ جگہ مرطوب ہے، یہاں وبا کا اثر جلد ہو سکتا ہے۔ ابو عبیدہ رضؓ تیز لہجے میں کہتے ہیں افرارًا من قدر اللہ؟ (اے عمر! کیا تقدیرِ الٰہی سے بھاگتے ہو؟) سنا آپ نے ـــــ یہ ایک فوجی سالار خلیفۂ وقت کو ٹوک رہا ہے۔ وہ خلیفہ جس کے رعب سے بڑے بڑے جیالے تھر تھر کانپتے تھے۔ مگر خلیفۂ وقت بھی جانتا تھا کہ کس مرتبے کے آدمی نے اسے ٹوکا ہے۔ ضبط کر گئے بلکہ مدینے لوٹ آئے اور ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ یہاں آؤ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ ابو عبیدہ رضؓ اب بھی تعمیل نہیں کرتے بلکہ جواب لکھتے ہیں کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر وہاں نہیں آسکتا۔ تقدیرِ الٰہی اٹل ہے جو ہونا ہے ہو رہے گا۔

اگر ایسا جواب کسی اور سرکاری ملازم نے حضرت عمر رضؓ کو دیا ہوتا تو شاید اگلا سورج طلوع ہونے سے قبل ہی اسے اپنی مرہم پٹی کرانے کی ضرورت پڑ گئی ہوتی۔

لیکن یہاں تو عالم یہ ہے کہ حضرت عمر رضؓ اس جواب کو پڑھ کر رو رہے ہیں۔ دل بھر آیا ہے کہ ابو عبیدہ رضؓ اپنی جان کے معاملے میں کتنے بے پرواہ ہیں۔ بجائے سرزنش کے خط لکھا جاتا ہے کہ اچھا آتے نہیں تو کم سے کم پڑاؤ کی جگہ تو بدل دو۔ وہ نشیبی جگہ ہے، کوئی اچھا مقام تجویز کر لو۔

یہ تھے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ۔ زندگی ہی میں جنت کی بشارت پانے والے۔ امانت و دیانت کے پیکر۔ دنیا سے مستغنی۔ عاقبت کے تصور میں گم۔ لیکن خود میاں صاحب ہی کی زبانی آپ نے سُن لیا کہ حضرت عمر رضؓ ان تک سے برملا پوچھتے ہیں کہ اے ابو عبیدہ! یہ مالِ غنیمت طاقت کے ناجائز استعمال سے تو حاصل نہیں کیا گیا؟ یہ ظلم کی ناپاکی سے تو آلودہ نہیں ہے؟

اب اس کے مقابلے میں اُن صاحب کی طرف دیکھئے جو دفعۃً پہلے ہی سال میں دُگنی رقم اُبھار لائے ہیں۔ آخرت کا معاملہ آخرت والا جانے۔ بظاہر ان کا دامنِ کردار داغ دار ہے۔ عمر بھی وہ ہے جس میں زہد و اتقا کا امکان کم ہوتا ہے۔ عین اسی زمانے میں مصر کی رعایا بھی ان کے ظلم و ستم کی شاکی ہے۔

ابن عساکر اپنی تاریخ میں امام زہری سے اور امام زہری حضرت سعید بن المسیّب سے جو طویل روایت بیان کرتے ہیں اس میں موجود ہے کہ عبداللہ ابن سرح کو ابھی صرف دو ہی برس گورنری کرتے ہوئے گذرے تھے کہ اہلِ مصر کے متعدد لوگ روتے دھوتے دار الخلافہ پہنچے اور شکایت کی کہ ہم پر عبداللہ بہت ظلم ڈھا رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضؓ نے عبداللہ رضؓ کو سرزنش اور فہمائش کا خط لکھا جو تاریخوں میں محفوظ ہے۔ مگر ان صاحب نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی بلکہ اُلٹا شکایت کرنے والوں کو ہدفِ ظلم بنایا۔ مارا پیٹا یہاں تک کہ بعض کو جان ہی سے مار دیا۔ پیٹتے پیٹتے ایک شخص کو مار ڈالنے کی روایت تو اسی بلاذری کے یہاں موجود ہے جس کی فتوح البلدان کا حوالہ میاں صاحب نے اسی مقام پر دیا ہے (ملاحظہ ہو

انساب الاشراف - بلاذری - ص ۲۶)

اور یہ بھی آپ نے دیکھ لیا کہ عمرو بن العاص رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ سے کیا کہا تھا۔ انھوں نے یہی تو کہا تھا کہ بیشک مال زیادہ حاصل ہو گیا ہے مگر اس کا حصول ظلماً ہوا ہے رعایا پر زیادتی کی گئی ہے۔

سارا منظر، پیش منظر اور پس منظر ملحوظ رکھتے ہوئے انصاف کیا جائے کہ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی موقع حضرت عثمان رضؓ کے یہ سوال کرنے کا تھا کہ اے عبد اللہ بن ابی سرح! یہ چالیس لاکھ کا تھیلا بعد میں قبول کیا جائیگا پہلے یہ ثابت کرو کہ اس کی وصولیابی میں تم نے ظلم تو نہیں کیا ہے۔

ہمیں تاریخ پر عبور کا دعویٰ نہیں۔ حضرت میاں صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ کیا کسی قابلِ ذکر تاریخ میں ایسی کوئی روایت موجود ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ حضرت عثمان رضؓ نے بھی اس موقعہ پر حضرت عمر رضؓ والا سوال کھڑا کیا تھا؟ اگر ہے تو اسے پیش کیا جائے اور اگر نہیں ہے تو پھر یہ رٹے جانا کہ حضرت عثمان رضؓ نے مالی معاملات میں شیخین کے اسوے سے انحراف نہیں کیا، کیا کھلی ڈھٹائی نہیں ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت عثمان رضؓ عمرو بن العاص رضؓ پر تو شک کرتے ہیں۔ ان کے طنز میں کھلا احتمال اس سوئے ظن کا ہے کہ ابن العاص اپنی گورنری کے زمانے میں خراج وغیرہ کی رقموں سے کچھ اپنے لئے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن اُس عبد اللہ سے تحقیقِ حال نہیں فرماتے جو مرتبے اور تجربے میں ابن العاص رضؓ سے کم ہے۔ جوان ہے۔ غیر محتاط ہے۔ اگر اس صورتِ حال پر حضرت علی رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ اور حضرت طلحہ رضؓ جیسے اکابر کو یہ شکایت ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے اقربا کے معاملے میں نرمی برتتے ہیں تو بتائیے اس میں کونسی جائے حیرت ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب جس وقت عبد اللہ بن ابی سرح رضؓ کا قصیدہ لکھ رہے ہیں اُس وقت ان کا ذہن ٹھیک اُن دنیا پرستوں کا ذہن ہے جو صرف مادی منفعت کو اہمیت دیتے ہیں اور اخلاقی و شرعی پہلو ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ انھوں نے بڑی آسانی سے لکھ دیا کہ "عبد اللہ بن سعد رضؓ نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنایا تو پہلے ہی سال آمدنی دوگنی ہو گئی" (ص ۱۶۸) حالانکہ عملی دنیا میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ایک حاکم کے اختیار کردہ نظم اور پالیسی کو بدل کر دوسرا نظم اور پالیسی لائی جائے تو یہ اتنی جادو اثر ہو کہ ایک ہی سال میں دوگنی آمدنی ہونے لگے۔ الٹ پلٹ کا نتیجہ فوری طور پر تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے سے زیادہ تنگی برداشت کرنی پڑتی ہے اور کافی عرصہ بعد نئی تنظیم اور جدید پالیسی کے ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ یہ عبد اللہ بن سعد رضؓ نے کیسی ہتھیلی پر سرسوں جمائی کہ سال ہی بھر بعد "اونٹنی" کا دودھ دگنا ہو گیا۔

ہم احمقوں کی طرح اپنے ہر ممدوح کے من مانے قصیدے ضرور گا سکتے ہیں لیکن حقائق کی سطح پر کسی وصف کو ثابت کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا میاں صاحب نے سمجھا ہے۔ انھوں نے آٹھ سے زائد صفحات عبد اللہ بن ابی سرح رضؓ کے لئے صرف کر دیئے۔ مگر سوائے غیر ضروری باتوں کے کوئی قابلِ فہم توجیہہ اس بات کی پیش نہیں کی کہ پہلے ہی سال میں بیس کے چالیس لاکھ کیسے بن گئے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ رقم ظلم کی ادنیٰ آمیزش کے بغیر بھی وصول کی گئی ہو تو بہر حال حضرت عثمان رضؓ نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ عبد اللہ سے سوال کر لیتے۔ حالانکہ میاں صاحب خود حضرت عمر رضؓ کا اسوہ بیان فرما رہے ہیں کہ انھوں نے تو اُس امین الامتہ سے بھی سوال کر ڈالا تھا جس کی امانت اور تقوے کا علم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے انھیں ہو چکا تھا۔

یہی ہے وہ کھلا فرق جو اقربا اور مالیات کے شعبوں میں حضرت عمر رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کی روش میں پایا جاتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے حقائق کو جھٹلانے ہی کا فیصلہ کر رکھا ہو، جن کا موقف ہی یہ ہو کہ تاریخ ہم اپنی مرضی کے

مطابق گھڑیں گے جو سچائیوں کا کوئی زندہ شعور نہ رکھتے ہوں اور جنھیں علم و تحقیق سے کوئی مناسبت نہ ہو وہ اگر اس فرق کو نہ دیکھ سکیں تو ہم اس سے زیادہ کیا کہہ سکتے ہیں کہ:-

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

آیتِ قرآنی

میاں صاحب قرآن کی وہ آیت نقل کر کے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہیں بدلتی - یہ کہتے ہیں کہ:-

"خلافتِ راشدہ جیسی نعمت عظمیٰ کے زوال کا سبب مودودی صاحب خلیفۂ سوم کے کردار میں تلاش کر رہے ہیں اور قرآنِ حکیم کی ہدایت یہ ہے کہ خلیفہ اور امام میں نہیں بلکہ جس قوم کے وہ خلیفہ اور امام ہیں اِن کی حالت دیکھو" (ص ۲۳۲)

قرآنی آیات سے کھیل کرنا بھلا میاں صاحب کے لئے کیا دشوار ہو سکتا ہے جب وہ کسی بھی روایت کو بلا دلیل موضوع کہنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے - ان سے کوئی پوچھے اس آیتِ قرآنی میں یہ کہاں فرمایا گیا ہے کہ خلیفہ کو مت دیکھو باقی قوم کو دیکھو ــــ اس میں تو صرف "قوم" کا لفظ ہے بلا کسی استثناء کے - تو کیا میاں صاحب کا خیال ہے کہ خلیفہ اور امام قوم سے خارج کوئی مخلوق ہوتا ہے - کیا اسے مافوق البشر کوئی پوزیشن حاصل ہے - کیا وہ فرشتہ بنا کر بھیجا گیا ہے کہ ساری قوم غلطی کر سکتی ہے مگر وہ نہیں کر سکتا -

بڑے رنج کی بات ہے کہ میاں صاحب جہاں جی چاہے ایک آیتِ قرآنی کا مطلب دل سے بیان کر دیتے ہیں اور ایک بھی ایسے مفسر کا نام نہیں لیتے جس نے اس مطلب کی تائید کی ہو - قرآن کی بے شمار تفسیریں موجود ہیں - کیا میاں صاحب کسی ایک مستند تفسیر میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر یہ دکھلا سکتے ہیں کہ خلیفۂ و امام "قوم" سے خارج ہے - اس کے اسوہ و کردار کو مت دیکھو -

اجتماعیات کے کسی بھی ماہر سے پوچھ دیکھئے وہ بتائیگا کہ اچھائی اور برائی اوپر سے نیچے کو چلتی ہے نہ کہ نیچے سے اوپر کو - سالارِ فوج اگر ظلماً کسی کا ایک انڈا کھائے گا تو فوج مرغیاں اور بکریاں بھی صاف کر جائے گی - وزیر اور گورنر دیانت دار ہوں تو نیچے کا عملہ آسانی سے بددیانتی نہیں کر پاتا۔ اِس مسلّم قاعدے کے مطابق جائزہ تو سب سے پہلے اسی طبقے کا لینا چاہیئے جو ممتاز ہو - مقتدر ہو - قیادت و سیادت کے مناصب پر فائز ہو - خلیفہ اور امام سے بڑھ کر ذی اقتدار کون ہوگا - اسی لئے اسے آخرت میں رعایا کے بارے میں مسئول قرار دیا گیا ہے - کیا آپ نے نہیں سنا کہ اگر فرات کے کنارے کوئی بکری مر جائے تو عمر فاروق کا خیال تھا کہ اللہ اس کے بارے میں بھی مجھ سے باز پرس کرے گا - اور اگر وہ ناحق ماری گئی ہے تو میں بری الذمہ نہ ہو سکوں گا -

اس کے باوجود اگر میاں صاحب یہ کہتے ہیں کہ انقلابِ زوال کا سراغ خلیفۂ و امام کے اسوہ و کردار میں ہرگز مت ڈھونڈو تو اسے بے دانشی کا شاہکار کہیں گے -

منکرینِ حدیث کی نقل

مذکورہ عبارت کے بعد میاں صاحب لکھتے ہیں:-

"مودودی صاحب موضوع روایات کے پائے چوبیں سے جست لگا کر ایک سبب تلاش کر رہے ہیں" (ص ۲۳۲)

بتایا جائے کہ منکرینِ حدیث کا طور طریق انکارِ حدیث میں اس سے مختلف اور کیا ہے - وہ بھی تو دلیل فن کے بغیر محض اپنی عقل کو قاضی بنا کر کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم موضوعات کا ڈھیر ہیں - حدیث کا سارا ذخیرہ عجمی سازش کا ملغوبہ ہے - سوائے قرآن کے کوئی چیز لائقِ قبول نہیں -

میاں صاحب نے بعض روایات پر جس کم فہمانہ انداز کی تنقید کی ہے اس کی حقیقت ہم بدلائل واضح کر آئے ہیں - ہم چیلنج کرتے ہیں کہ "خلافت و ملوکیت" میں کوئی بھی دعویٰ موضوع روایات سے ثابت نہیں کیا گیا ہے - اگر میاں صاحب

میں ذرا بھی احساسِ ذمہ داری ہے تو وہ موجودالوقت کسی استادِ حدیث سے یہ نشاندہی کرائیں کہ فلاں روایت موضوع ہے۔

دیکھئے میاں صاحب نے یہ بھی لکھا:۔

"سیدنا حضرت عمرؓ کا اندیشہ اور جانشینوں پر اقربا پروری کا الزام تو موضوع روایات کے جنگل کی گھانس ہے۔ جس کی طرف التفات کرنا قوتِ التفات کو ضائع کرنا ہے۔" (ص ۲۳۲)

اے بزرگو اور بھائیو! کیا ہم حصہ اول کے صفحہ ۹۸، ۹۹ پر حضرتِ عمرؓ کی پیش گوئی شاہ ولی اللہؒ کی ازالۃ الخفاء سے مکمل حوالے کے ساتھ نقل نہیں کر آئے اور کیا یہ بھی ہم نے نہیں بتایا کہ یہ ابن عبد البر کی الاستیعاب میں بھی موجود ہے۔ (دیکھئے جلد ۲ صفحہ ۴۶۷)

تو اب بتایئے موضوع روایات کی گھاس پھونس اُگانے والے میاں صاحب کی دانست میں کون ہوئے۔ — شاہ ولی اللہؒ اور ابن عبد البر!

یہ وہی شاہ ولی اللہ ہیں جن کی ازالۃ الخفاء سے میاں صاحب اپنی کتاب میں جگہ جگہ استدلال کئے چلے جاتے ہیں لیکن جو روایات شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھ کر درج کتاب نہیں کیں انھیں توہین انگیز لہجے میں موضوع قرار دینا ان کے لئے اتنا آسان ہوگیا ہے کہ نہ خوفِ خدا نہ شرمِ دنیا نہ شعورِ علم نہ احساسِ دیانت۔

اور خیر سے اقربا پروری کی روایات کو موضوع قرار دے کر تو انھوں نے امت کی امت پر تبرّا کا تبر چلا دیا ہے۔ کیا امام احمد ابن حنبلؒ کیا امام ماوردیؒ کیا محب الطبریؒ کیا امام زہریؒ کیا سعید بن المسیبؒ کیا ابن کثیرؒ کیا ابن جریرؒ کیا ابن سعدؒ کیا ابن اثیرؒ کیا ابن خلدونؒ سب کے سب ان کی زد پر ہیں — مگر پروپیگنڈہ ہر طرف پھر بھی یہی سُننے میں آئے گا کہ مودودی بزرگوں کی توہین کرتا ہے اور صاحب بزرگوں کو گالیاں دیتا ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

اہلِ علم سے معذرت کے ساتھ ہم چند لفظ ابن عبد البر کے بارے میں بھی تعارفاً لکھ دیں تاکہ ہمارے عام قارئین جان جائیں کہ یہ کس پائے کی شخصیت ہیں۔

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں انھیں شیخ الاسلام لکھتے ہیں — ابو الولید باجی کہتے ہیں کہ "اندلس میں ابن عبد البرؒ جیسا کوئی عالم نہ تھا۔" علامہ ابنِ حزم فرماتے ہیں کہ "جہاں تک مجھے علم ہے فقہِ حدیث پر کلام کرنے میں کوئی ان کے برابر بھی نہ تھا چہ جائیکہ ان سے بڑھ کر ہوتا۔" حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ "ان کی تالیفات اپنی نظیر نہیں رکھتیں اور ان میں سے ایک الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ہے جس کے مرتبے کی کوئی کتاب صحابہؓ کے احوال و واقعات میں نہیں ہے۔"

اندازہ فرمایا جائے کہ جس روایت کو ابن عبد البرؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے حضرات اپنی کتابوں میں لے رہے ہیں اور علمائے سلف و خلف میں سے کسی نے اسے موضوع تو کجا ضعیف تک نہیں کہا اسے میاں صاحب بار بار موضوع کہے چلے جا رہے ہیں۔ اور تحقیر و تضحیک کا انداز بھی آپ کے سامنے ہے۔

غلو

آپ نے جائزہ حصہ اول میں دیکھا کہ حضرت علیؓ کا قصیدہ لکھا گیا تو انھیں سارے خلفاء سے بڑھا دیا گیا پھر ابھی چند صفحات قبل آپ نے دیکھا کہ انھیں گرایا تو اتنا گرایا کہ مروان سے مونچھیں اُکھڑوا دیں۔

اب ذرا حضرت عمر کے بارے میں بھی ارشاد گرامی دیکھئے:۔

"عمر بن الخطابؓ کی شخصیت جس کی نظیر نوعِ انسانی کی پوری تاریخ میں نہیں ہے کتنی بڑی نعمت اور کتنی بڑی سعادت ہے پوری امت کے لئے پھر اس کی شہادت یعنی اس بے نظیر نعمتِ عظمیٰ کا سلب کیا جانا کیا وہ محرومی نہیں ہے جس کو عذاب کہا جاسکے۔ ولئن کفرتم ان

عذابی لشدید ہا ۔" (ص ۲۳۵)

میاں صاحب سے کوئی پوچھے کیا انبیاء علیہم السلام نوعِ انسانی سے خارج ہیں ؟ اگر نہیں تو کیا حضرت عمرؓ تمام انبیاء حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اونچے اور افضل ہیں ؟ ۔ الفاظ تو آپ یہی کہہ رہے ہیں حالانکہ انبیاء تو الگ رہے خود ایک غیر نبی ابوبکر صدیقؓ بہ اجماعِ امت حضرت عمرؓ سے فائق ہے ۔ خود آپ بھی اس سے انکاری نہیں ہیں مگر غلو کی عادت اور قلم کی بے راہ روی نے آپ کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے کہ جو کچھ لکھیں سوچ کر لکھیں ۔ وہ شخصیت جو بنی نوعِ انسانی میں علی الاطلاق بے نظیر کہی جا سکتی ہے فقط ایک ہی ہے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی ۔ ان کے علاوہ کسی کے لئے بھی ایسے الفاظ لکھنا اپنی غیر ذمہ داری اور غلو پسندی کا ثبوت دینا ہے ۔

قرآن سے کھیل

بڑے دُکھ کی بات ہے کہ حضرت میاں صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں جہاں قرآنی آیات استعمال کی ہیں اکثر و بیشتر وہاں ان سے ایسے مفاہیم مراد لئے ہیں جو یا تو تحریف کے دائرے میں آتے ہیں یا تفسیر بالرائے کے ۔ صدہا مفسرینِ سلف و خلف میں سے کسی ایک مفسر نے جو بات نہیں کہی وہ میاں صاحب بلا تکلف کہہ ڈالتے ہیں اور انداز یہ ہوتا ہے گویا جو مراد انھوں نے لی ہے بس وہی ساری امت کے یہاں مسلّم ہے ۔

آپ نے دیکھا حصہ اول کے آغاز ہی میں ولید بن عقبہ کے بارے میں اُتری ہوئی آیت اِنْ جاءکم فاسقٌ سے انھوں نے کیسا تمسخر کیا ۔ کس طرح اسے تحریف کی سان پر چڑھایا ۔ اب یہاں دیکھئے آیت لَئِن کفرتم کو انھوں نے کہاں فٹ کیا ہے ۔

حضرت عمرؓ کی شہادت بلاشبہ ایک دردناک اور دُور رس واقعہ تھا لیکن قرآن کی آیت پیش کر کے یہ باور کرانا کہ یہ واقعہ لوگوں کی ناشکری کے نتیجے بطورِ عذاب پیش آیا ۔ ایک ایسی جرأت ہے جسے تفسیر بالرائے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ جس رعایا کو چھوڑ گئے تھے وہ ایک ناشکری مخلوق ثابت ہوئی اور اسی لئے اسے شہادتِ عمرؓ کی صورت میں عذاب دیا گیا ۔

پھر یہی نہیں ۔ حضورؐ کی دنیا سے رحلت تو یقیناً حضرت عمرؓ کی شہادت سے بڑا امتحان تھی عظیم نقصان تھی ۔ شدید ترین واقعہ تھی ۔ پھر تو میاں صاحب کی منطق سے یہ بھی کسی ناشکری کا ہی عذاب ٹھیرے گی ۔

آخر کیا مذاق ہے جو قرآن سے کیا جا رہا ہے ۔ بازی بازی بار یش بابا ہم بازی ! اللہ کے بندو ۔ احساس تو کرو یہ کس کا کلام ہے ۔ کیوں اپنی عاقبت تباہ کرتے ہو ۔ کس شیطان نے تمھیں بہکا دیا کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابوبکرؓ یا خاتم النبیینؐ کی رحلت دلئن کفرتم والی آیت کا کوئی مظہر ہے ۔ استغفر اللہ پناہ بخدا حضورؐ کو اس لئے نہیں اٹھایا گیا کہ صحابہؓ ناشکری اور کفرِ نعمت میں مبتلا ہو گئے تھے ۔ پھر ابوبکرؓ یا عمرؓ کو بھی اس لئے نہیں اُٹھایا گیا کہ اس ذریعے سے اُمتِ مسلمہ کو عذاب دینا مقصود تھا ۔ وہ کفران جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور وہ عذاب جو اس کفران پہ دیا جاتا ہے قطعاً الگ چیزیں ہیں ۔ ان کا کسی کی موت و حیات سے کیا تعلق ۔ حماقت و جسارت کی کوئی حد ہونی چاہئیے ۔ خدا کی کتاب مودودی کی کتاب نہیں ہے کہ جس طرح چاہو اس سے ٹھٹول کرو ۔

اور دیکھئے

میاں صاحب مودودی سے خطاب کر کے فرماتے ہیں :۔

"آپ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریوں کا سلگنے کا سبب حضرت عثمانؓ کی صلہ رحمی کو قرار دیتے ہیں ۔ اور آپ کی نظر قرآن حکیم پر نہیں جاتی ۔ سورہ اقرأ نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ۔ اس نے اس امت کے نشوونما کے آغاز ہی میں آگاہ کر دیا تھا ۔ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی ۝ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ۝ کوئی نہیں انسان سر چڑھتا ہے اس لئے کہ دیکھے

آپ کو محفوظ) وحی الٰہی کے اس فقرے میں جس طرح اہلِ بصیرت کے لئے بشارت تھی کہ ان کا فقر غنا سے بدلے گا۔ فاقہ مستی کی بجائے تونگری کا ظہور ہوگا۔ اسی طرح اس میں تنبیہ بھی تھی کہ فطرتِ غنا یہ ہے کہ وہ طغیان وغیرہ پیدا کرے اور انسان کو اپنے آپے سے باہر کردے۔" (صـــ ۲۳۶ و ۲۳۷)

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مولانا محمد میاں صاحب نے امت کے جانے پہچانے مفسرین اور علماء کو چھوڑ کر اپنے خیالات و قیاسات کے لئے کونسا مصدر و منبع تلاش کرلیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ سے ایسے ایسے معانی و مفاہیم نکالتے ہیں جن کی مفسّرینِ سلف و خلف کو ہوا تک نہیں لگی۔

یہ کَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ الآیۃ سورۂ اقراء (علق) کی آیت ہے۔ اس سے قبل کی پانچ آیتیں (اقرا سے یعلم تک) غارِ حرا میں اتری ہیں۔ یہ سب سے پہلی وحی تھی جو بشکل قرآن نازل ہوئی۔ اس کے بعد کَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ سے سورت کے خاتمے تک کی آیات کی شانِ نزول یہ ہے کہ ابوجہل اپنی دولت پر اکڑتا تھا اور حضورؐ سے اسے بڑا ابیر تھا۔ حافظ ابن کثیرؒ کی صراحت کے مطابق بخاری میں ہے کہ ایک دن ابوجہل بڑے طراے میں آکر بولا کہ دیکھتا ہوں محمدؐ اب کعبے میں نماز کیسے پڑھتا ہے۔ پڑھتا دیکھ لوں گا تو اب کی اسکی گردن ہی ناپ دوں گا۔

پھر ایک دن یہ شقی آپؐ کی گردن پر پیر رکھنے کے ارادے سے بڑھا جب کہ آپ سجدے میں تھے۔ مگر لوگوں نے دیکھا ہڑبڑا کے واپس لوٹ رہا ہے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے۔ بولا کیا بتاؤں اپنے اور محمدؐ کے بیچ میں ایک آگ کا گڑھا نظر آیا اور اس میں اور بھی خوفناک چیزیں تھیں۔

شاہ عبد القادر محدث دہلوی موضح القرآن میں یوں رقمطراز ہیں:۔

"سچ ہے کہ بے شک آدمی یعنی ابوجہل ہر طرح ... باہر گیا ہوا ہے تکبری میں یعنی حد سے زیادہ تکبری کرتا ہے اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى اس سبب سے جو دیکھتا ہے وہ اپنے تئیں دولتمند۔" (صــ ۶۲۸)

اس شانِ نزول کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتایا جائے کہ میاں صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔

اور اگر شانِ نزول کو نظر انداز کردیا جائے تو یہ سوال بہرحال پیدا ہوگا کہ اس آیت میں یہ بشارت آخر کہاں موجود ہے کہ غریب صحابہؓ کا فقر غنا سے بدلے گا۔ غربت اور امارت، افلاس اور زرداری دونوں ازل سے چلے آرہے ہیں۔ اس آیت میں اگر کوئی بات کہی گئی ہے تو یہ کہ دولت پاکر انسان عموماً تکبر اور خدا فراموشی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی بشارت نہیں ہے۔ میاں صاحب اُن اہلِ بصیرت میں سے دو چار ہی کا نام لیں جنھوں نے اس آیت میں بشارت کا نظارہ کیا ہو۔ ہمارے مفسرینِ سلف و خلف اگر میاں صاحب کے نزدیک "اہلِ بصیرت" کہلانے کے قابل ہیں تو انھیں ایک دو حوالے ضرور ان کے دینے چاہئیں۔ یہ کیا اسلوب ہے کہ جو بھی بات میاں صاحب کے دماغ میں آجائے اسے اہلِ بصیرت کی طرف منسوب کردیں حالانکہ اہلِ بصیرت نے کبھی اس کا تصور بھی نہ کیا ہو۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ قدیم و جدید مفسرین کی تفسیریں معدوم نہیں ہوگئیں۔ حوالہ دیا جائے کہ کن مفسرین نے یہ بات کہی ہے کہ اس آیت میں فاقہ مستوں کے لئے تونگری اور فقیروں کے لئے غنا کی بشارت ہے۔

رہا وہ محل جہاں میاں صاحب نے اس آیت کو بطور استدلال پیش کیا ہے تو وہ اور بھی تعجب خیز ہے۔ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریاں اگر دولت کی وجہ سے سلگی ہیں تو ہم میاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا دولت بجائے خود کوئی ذی روح و ذی اختیار شے ہے جو انسانی واسطے کے بغیر اپنا کام کرجائیگی۔ کھلی بات ہے کہ دولت تو شئِ جامد ہے۔ جیسے پتھر اور اینٹ اس کا استعمال انسان ہی کے ہاتھوں ہوتا ہے اور انسان ہی اس کے باب میں مسئول ہے۔ آپ اگر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قبائلیت کی "چنگاریاں" دولت مندی" کے نتیجے میں بھڑکیں تو یہ تو مودودی کی تائید ہوئی نہ کہ تردید۔ حضرت عثمانؓ اپنی سرشت کے مطابق دولت کے معاملے میں فیاضی برتتے

ہیں۔ فیاضی نہایت عمدہ جذبہ ہے لیکن جب اس کے دور رس نتائج اور مضمرات وعواقب پر کڑی نظر نہ رکھی جائے تو اس کے بطن سے فتنہ اور شر ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ انھوں نے بنو امیہ پر نوازشات کی بوچھار کی تو اس سے غیر بنو امیہ میں رشک وحسد کی تخم ریزی ہوئی۔ جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے عہدوں پر بنو امیہ کے وہ نوجوان فائز کئے جا رہے ہیں جن کا دامن کردار داغ دھبوں سے پاک نہیں ہے اور مروان جیسے شخص کو پانچ لاکھ قیمت کا خمس یوں ہی دیدیا گیا ہے اور تین سو قنطار کی خطیر رقم آل حکم میں بانٹ دی گئی ہے تو قدرتاً وہ خلیفہ کے حسن نیت میں شک کرنے لگتے ہیں۔

میاں صاحب نے یہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ:—

"دولت آئی۔ صرف وہ جماعت اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہی جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے کندن بن چکی تھی... اور جن میں یہ پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی وہ کتاب اللہ کے اس ارشاد کا تماشہ گاہ بن گئی کلا ان الانسان لیطغیٰ الآیۃ—" (ص۲۳)

اس سے بھی ظاہر ہے کہ مروان اور عبد اللہ بن ابی سرح اور ولید جیسے لوگوں کے پاس جاہ ومال کا آنا فتنے اور تخریب ہی کا پیش خیمہ تھا۔ کیا کوئی بھی صاحب علم ان حضرات کو بھی ان ہستیوں میں شامل کر سکتا ہے جو حضور ﷺ کے فیض نظر سے کندن بن چکی تھیں۔ ان میں سے ایک ایک کے حال احوال کی مفصل کیفیت حصۂ اول میں بھی اور چند ورق ماقبل بھی پیش کی جا چکی۔ پھر کیا کہا جائے سوائے اس کے کہ میاں صاحب فرطِ سادہ لوحی میں اپنے ہی قلم سے مودودی کے موقف کی تائید کرتے چلے جا رہے ہیں حالانکہ وہ سمجھ یہ رہے ہیں کہ میں مودودی کے بخیے ادھیڑ رہا ہوں۔

حرفِ آخر

"شواہد تقدس" کی نہ جانے کتنی خامیاں ابھی ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ دراصل جب بنیاد ہی کج ہو گئی تو اوپر تک عمارت کج ہی بنتی چلی جائے گی۔ جو درخت ایلوے کے تخم سے پھوٹتا ہے اس کی کوئی بھی ٹہنی اور پتی کڑواہٹ سے خالی کیسے ہو سکتی ہے۔

لیکن مزید طول کی ضرورت نہیں۔ البتہ "انبیاء و صحابہ رض" کے عنوان سے کچھ لکھنے کا جو وعدہ ہم کر آئے ہیں اس کا ایفاء ابھی باقی ہے۔ کرنے کو ہم اسی اشاعت میں اس کا ایفاء کر سکتے تھے مگر قارئین کی اکتاہٹ کا لحاظ کرتے ہوئے یہ طے کیا گیا ہے کہ تجلی کے مستقل عنوانات بہرحال شاملِ اشاعت ہوتے رہیں گے اور تمام صفحات کو ایک ہی بحث کی نذر نہیں کیا جائے گا لہٰذا زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلی کسی صحبت میں اس قیمتی بحث کو دیکھئے گا۔

"تجدید سبائیت"

یہ کتاب ہمیں مہیا ہو گئی ہے۔ اس کے جستہ جستہ مطالعہ سے یہ راز منکشف ہوا کہ مولانا محمد میاں صاحب کی "شواہد تقدس" زیادہ تر اسی کا عکس ہے۔ کہیں کہیں تو اتنی زیادہ یکسانیت ہے کہ جیسے ایک پیڑ کے دو پھل۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ مولانا محمد میاں صاحب کے ہاتھ جب یہ کتاب لگی تو انھوں نے موقعہ غنیمت جانا کہ انہیں جو "موتی" بکھرے گئے ہیں ان میں سے کچھ سمیٹ کر میں بھی ایک کتاب لکھ ڈالوں۔ واقعہ یہ ہے کہ "تجدید سبائیت" میں بظاہر ایسے علمی "سنگ ریزے" جمع کئے گئے ہیں کہ مولانا محمد میاں جیسی قابلیت کے لوگوں کے لئے ان سے دھوکا کھا جانا بالکل قدرتی ہے۔ جو شخص ماہر قسم کا جوہری نہ ہو وہ ہر چمکیلے پتھر کو بلا تکلف ہیرا تصور کر ہی سکتا ہے۔ بعض مصنوعی ہیرے تو ایسے ہوتے ہیں کہ بسا اوقات ان سے اچھے خاصے جوہری بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔

لیکن ہم "تجدید سبائیت" کو دیکھ کر خاصے مایوس ہوئے ہیں۔ مایوسی کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کے محترم مصنف ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں اور ندوۃ العلماء سے ہمیں گہرا تعلق خاطر ہے۔ پھر ان کے نام نامی

کے ساتھ ناشر نے "مفکرِ اسلام" کا لقب بھی زیبِ لوح کیا ہے۔ ان خصوصیات کا حاصل یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ان کے فرمودات سے گہرے اور متوازن علم و تبحّر کی کرنیں پھوٹتی نظر آتیں۔ ان کے دلائل میں حقیقی وزن اور افکار و آراء میں عدل و دیانت کا نور جھلکتا ــــ مگر ہمیں دلی رنج ہے کہ انھوں نے تحقیقِ حق کو مقصدِ اصلی بنانے کے بجائے مولانا مودودی کی تردید کو مقصدِ اصلی بنا کر خامہ فرسائی کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جن بے شمار علمائے سلف کو امت کا سوادِ اعظم معتبر اور محترم مانتا آیا ہے وہ سب ان کے قلم سے بری طرح مجروح اور بے آبرو ہو گئے ہیں۔ "حمایتِ صحابہ" کے نام پر انھوں نے کم و بیش وہ کام کیا ہے جو منکرینِ حدیث "حمایتِ قرآن" کے نام پر کرتے ہیں۔

ہمارے لئے یہ تو مشکل ہے کہ ۴۱۶ صفحات کی اس کتاب کا ایسا ہی مفصّل جائزہ لیں جیسا شواہد تقدس کا لیا ہے تاہم جس طرح ہم نے اسی شمارے میں "امارت و صحابیت" کی کچھ جھلکیاں دکھائی ہیں اسی طرح اس کتاب کے بعض مندرجات پر بھی روشنی ڈالیں گے اور واضح کریں گے کہ صاحبِ علم ہونے کے باوجود محترم مصنف کس طرح محض ایک رُخ پر بہے چلے گئے ہیں۔ واللہ المعین۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

ایک منزل کئی قافلے

یعقوب سرورش

سفرِ حج کی تأثراتی ادوار جسے پڑھکر اسلام کی اس عظیم عبادت اس عظیم رکن، اس بے مثال اجتماعیت کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اور پڑھنے والا اس مرکزِ اسلام کے در و بام کے قریب خود کو اپنے دھڑکتے دل کیساتھ پاتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ دلکش زبان۔ تأثر انگیز اندازِ بیان۔ اخلاص و عجز۔ خودسپردگی و خاکساری کی کیفیات سے بھرپور۔ قیمت ۔ دو روپے ۵۰ پیسے۔ ایک ساتھ ۴ نسخے منگوانے پر کمیشن ۲۵ فیصد۔ پتہ:۔ منیجر مکتبہ دوام ۔ ٹانڈہ ۔ فیض آباد (یو۔ پی)

تاریخ الفخری | تاریخ اسلام کی ایک مشہور اور مستند کتاب جس کا ترجمہ اردو، فارسی، اور فرنچ زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ آپکی خدمت میں اردو ترجمہ حاضر ہے مجلد -/۱۲

انفاس عیسیٰ | حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیفات سے تصوف و شریعت، اخلاق اصلاح معاشرہ اور دیگر بیشمار موضوعات پر دین و دانش کی روشنی، دلچسپ اور روح پرور۔ قیمت مجلد ۲/۵۰

مخزن اخلاق | ہزاروں اقوال زریں، بیشمار سبق آموز حکایتیں قرآن و حدیث کے انمول موتی، علم و دانش کے جواہر پارے اور نوع بنوع دلچسپ اور خرد افروز مضامین پر مشتمل۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے تیس ایڈیشن چھپ چکے ہیں خاص و عام ہر حلقے میں اسے پسند کیا جاتا ہے۔ تازہ ایڈیشن مضبوط جلد حسین سہ رنگا گرد پوش کے ساتھ قیمت -/۱۲

تاریخ اسلام کامل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے بہت بعد تک کی یہ مفصل اور دلچسپ اور مستند تاریخ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی کا وہ مقبول کارنامہ ہے جس نے ان کے نام کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ ہنگاموں سے لبریز بے شمار رسالوں کی یہ طویل داستان صرف داستان نہیں بلکہ گنجینۂ عبرت بھی ہے۔ ہم مسلمان ہو کر بھی یہ نہ جانیں کہ ہمارا ماضی کیا رہا ہے تو محرومی کی بات ہے۔ عمدہ کتابت و طباعت اور اچھے کاغذ پر یہ شاندار کتاب تین جلدوں میں چھاپی گئی ہے۔ مکمل مجلد -/۴۵

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ہر سہ حصہ | مولانا علی میاں ندوی کی وہ تالیف جسے تمام دنیائے اسلام میں بہت پسند کیا گیا ہے۔ یہ ہمارے ان اسلاف کے کارناموں سے روشناس کراتی ہے جو اپنے انداز میں دین کی خدمت کا خوب خوب حق ادا کر گئے قیمت مکمل مجلد -/۲۶ روپے

بیان اللسان باضافۂ جدیدہ | یعنی عربی اردو ڈکشنری

جس میں تقریباً ان تیس ہزار قدیم و جدید عربی لغات کی مکمل و مستند تشریح مع ضروری لغوی مباحث کی گئی ہے جو درس نظامی، نصاب ولی اللّٰہی کتب درسیہ جامعات میں مستعمل اور ممالک عربیہ کی جدید تالیفات و جرائد و مجلات میں مروج ہیں۔ قرآن کریم کے جملہ لغات خصوصیت کے ساتھ شامل کئے گئے ہیں۔ قیمت مجلد -/۱۲

روح تصوف | مولانا اشرف علیؒ تھانوی کی مشہور کتاب جس کا ترجمہ مفتی محمد شفیع صاحب نے کیا ہے۔ تصوف سے متعلق تمام گوشوں پر محققانہ گفتگو، اخلاقی تعلیمات، آداب وغیرہ۔ اصلی اور جاہلانہ تصوف کا فرق مجلد ۳/۷۵

مولانا مودودی اور تصوف | کہا جاتا ہے مولانا مودودی تصوف کے دشمن ہیں اس الزام کی پوست کندہ حقیقت خود مولانا کی اپنی تحریروں کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کتاب آپ کو بتائے گی کہ مولانا کس تصوف کے دشمن اور کس کے حامی ہیں۔ قیمت مجلد ڈھائی روپے ۲/۵۰

اختری بہشتی زیور عکسی | بہشتی زیور مختلف اداروں نے چھاپا ہے لیکن حواشی اور کتابت و طباعت وغیرہ کے اعتبار سے اختری بہشتی زیور ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ یہ آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں۔ مکمل -/۲۰ مکمل مجلد -/۲۲

ردّ عقائد بدعیہ | بعض رواج یافتہ بدعات و شرکیات کا مدلل رد۔ بشریت انبیاء اور علم غیب وغیرہ کی نفیس بحثیں۔ قیمت -/۲

سفر مصر و حجاز | امیر شریعت مولانا منت اللہ بہاری کے قلم سے ایک بصیرت افروز اور معلومات افزا سفر نامہ قیمت ۲/۵۰

مکتبہ تجلی۔ دیوبند یوپی

مُلّا ابن العرب مکّی

مسجد سے میخانے تک

حافظ شوال صاحب کی نشست گاہ میں وہ اور میں بیٹھے عالمی سیاست پر اپنی اپنی بیش قیمت آراء کا اظہار کر رہے تھے۔ ہم دونوں ہی اس میدان میں یکتائے روزگار ہیں۔ حافظ صاحب نے اپنی سیاسی آراء کو علم نجوم کی بنیادوں پر استوار کیا ہے اور میں نے ایک ایسے علم کی بنیادوں پر جس کا نام اب تک تجویز نہیں ہوا۔ نمونہ پیش خدمت ہے شاید آپ ہی کوئی نام دے سکیں۔

حافظ صاحب کے ایک استفسار پر میں نے جواب دیا تھا۔

"تخفیف اسلحہ کے معاملے میں روس کی پالیسی ابھی معلق ہے۔ اگر مولانا ریحان الدین کے گھر میں اس سال لڑکا تولد ہوتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ روس کا رویہ تخفیف اسلحہ کے رُخ پر سخت ہو جائے گا اور اگر لڑکی تولد ہوئی تو فرانس اور روس مل کر ایک نئے ہائڈروجن بم کا تجربہ کرینگے۔"

"خوب" حافظ صاحب نے ایسا ہنگارہ بھرا جس سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ تائید کر رہے ہیں یا طنز فرما رہے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگے:۔

"زحل آج کل عطارد کے تعاقب میں ہے۔ اگر مشتری نے راہ نہ کاٹی تو چین اور امریکہ جلد ایک دوسرے سے گلے ملیں گے لیکن مشتری راہ کاٹ گیا تو یہ دونوں ملک ایک دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کریں گے۔"

"بالکل ممکن ہے" میں نے بھی اُنھی جیسے لہجے میں گول مول تائید کی۔۔۔ "لیکن حافظ صاحب اس کا بھی لحاظ رکھئیے کہ اگر مرزا تمنا کی بھینس نئے سال سے پہلے بیاہ گئی تو چین اور امریکہ کسی قیمت پر بھی ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھ سکیں گے۔"

"حیرت ہے مرزا تمنّا نے بھینس کیسے پال لی" وہ چمک کر بولے۔ "پچھلے سال تک تو بکریاں پالتے تھے۔"

"بکریوں کے بعد بھینس ہی کا نمبر ہو سکتا ہے۔۔۔ اب ہاتھی تو پالنے سے رہے۔"

"ہاتھیوں پر بڑا ترس آتا ہے ملّا میاں۔ ان کا ستارہ گردش میں آیا ہوا ہے۔"

"اوہو۔ کیا انسانوں کی طرح حیوانات بھی ستاروں ہی کے زیر اثر ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"سو فی صدی۔ تم حیوانات کہتے ہو۔ نباتات جمادات تک ستاروں سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ علم نجوم بڑا ہمہ گیر ہے۔ دنیا کی کوئی شے اس کے دائرے سے باہر نہیں۔"

"اچھا بتائیے۔ ہند و پاک کے موجودہ تناؤ کا اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔"

"زہرہ اگر عقرب کے برج میں داخل ہو گیا تو چین اور ہندوستان کی دوستی یقینی ہے۔ اس کے بعد پاکستان کی ساری شوں شاں ختم ہو جائے گی۔"

"فرض کیجئے داخلہ نہ مل سکا پھر؟"

"ہم کئی راتوں سے دیکھ رہے ہیں کہ مشتری مریخ کو آنکھ دکھلا رہا ہے۔ یہ اُسی صورت میں ہوتا ہے جب زہرہ کی توجہ عقرب کی طرف ہونے والی ہوتی ہے۔ اگر فرنگیوں نے

خلائی راکٹ چھوڑ چھوڑ کر نظامِ قدرت میں خلل نہ ڈالا ہوتا تو زہرہ اور عقرب کا وصال پچھلے ہی سال ہو چکا ہوتا۔ یہ مصنوعی سیارے جو فضا میں تیرتے پھر رہے ہیں یہ بھی گھپلا مچا رہے ہیں۔"

"کیا یہ ہو سکتا ہے کہ علم نجوم کے کچھ فارمولے آپ فدوی کو بھی سکھا دیں؟"

"کافی مشکل ہے۔ تمہارے پاس خرچ اخراجات کو تو کچھ ہے نہیں۔ اگر روزانہ ایک گھنٹہ بھی تمہیں سبق پڑھایا تو چھ ماہ سے پہلے عبور حاصل نہ کر سکو گے۔ اب تم خود سوچ لو۔"

"کیا سوچ لوں۔ آپ کہئے تو روزانہ دو گھنٹے سبق لیا کروں ـــ فرصت ہی فرصت ہے۔"

"میاں فرصت سے کیا ہوتا ہے ـــ تعلیم کا دھندا مفت تو نہیں چلتا۔ ہم بچوں کو قرآن پڑھانے کے فی بچہ پانچ روپے مہینہ لیتے ہیں۔ علم نجوم بہت مشکل ہے اسلئے دس روپے مہینہ سے کم کام نہیں چلے گا۔"

"باپ رے ـــ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے علم نجوم سکھائیں اور میں آپ کو اپنا فن سکھاؤں۔"

"بکواس ہے ـــ تمہارے فن کی کوئی بنیاد نہیں۔"

"کمال ہے۔ آج تک تو آپنے اس طرح کا ریمارک کبھی نہیں کیا تھا۔"

"تم نے بھی تو ہم پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہم نے سوچا ہم ہی کیوں تمہارا دل توڑیں۔"

دفعتاً اندرونی دروازے کی کنڈی کھٹکی۔ حافظ صاحب اٹھکر اندر گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد لوٹے تو ان کا چہرہ لٹکا ہوا تھا۔

"نصیبِ اعداء خیر تو ہے؟" میں نے پوچھا۔

وہ بیٹھ کر چند لمحے خاموش رہے۔ پھر مرجھائے ہوئے سے لہجے میں بولے:۔

"بھئی کیا بتائیں۔ اس بنیے نے تو پریشان کر دیا ہے۔"

"کس بنیے نے؟"

"میاں وہی نرنجن۔ اب کی اس کا پورا قرض ادا نہیں ہو سکا۔ بار بار تقاضے بھجوا رہا ہے؟"

"اوہ ـــ آپ کا حساب تو اس کے یہاں برسوں سے ہے۔"

"جی ہاں مگر اب کی دو مہینے سے کچھ دیا نہیں گیا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ صالحہ کی شادی میں کتنا خرچ ہوا تھا۔ تقریباً تین سو تو بنیے کو ادا کر چکا ہوں مگر چار سو اب بھی باقی ہیں۔"

"وعظ تبلیغ میں تو آپ اب بھی جاتے ہیں۔"

"جاتے ہیں مگر پہلی سی بات نہیں رہی۔ دراصل گنے کا بھاؤ جو دو سال چڑھ کر اک دم اترا ہے تو دیہاتیوں میں تنگدلی پھیل گئی ہے۔ کمبخت بڑی مشکل سے جیب ڈھیلی کرتے ہیں۔ اندازہ کر لو کہ پہلے ہر ہان پور خورد سے ایک ہی وعظ پر چالیس پچاس جمع ہو جاتے تھے۔ اب مشکل سے پانچ سات ملتے ہیں۔ یہی حال دوسرے مواضعات کا ہے۔"

"اللہ تعالیٰ ان کمبختوں کو نیک توفیق دے۔ آپ کی گاڑی بھلا تنہا مکتب سے کیسے چل سکتی ہے۔"

"اجی توبہ کرو۔ تعویذ گنڈوں کا سہارا نہ ہو تو دو وقت چولھا بھی نہ جلے۔ بچے مکتب میں ہیں ہی کتنے۔ مشکل سے بیس بائیس۔"

"کم ہیں۔ اس طرح تو سو روپے مہینہ سے زیادہ وصول نہ ہوتے ہوں گے۔"

"میاں کیسے سو۔ پانچ روپے مہینہ تو دو چار ہی گھر سے آتا ہے۔ باقی کوئی دو پر ٹرخا رہا ہے۔ کوئی ایک ہی بھیج کر سانس روک لیتا ہے۔"

"استغفر اللہ۔ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

"اور کیا ـــ یہ صورت نہ ہوتی تو ہم دیہاتوں کے دھکے کیوں کھاتے۔ کوئی ترکیب تمھی بتاؤ۔ اب تو یہ بنیا راستہ چلتے ٹوک دیتا ہے۔"

"شیطان ہے پکّا۔ ہماری حالت سقیم نہ ہوتی حافظ صاحب تو یہ پریشانی آپ کو ہرگز نہ جھیلنی پڑتی۔ وہ دیکھئے ـــ کیا ستاروں سے اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں لی جاسکتی۔"

"فضول ہے۔ زہرہ مشتری۔ عقرب۔ عطارد سب

کمبختوں کی چالوں میں آج کل گڑبڑ ہے۔ جب سے امریکہ نے چاند پر جہاز اُتارا ہے ستاروں کا مزاج ہی نہیں ملتا۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر صوفی محراب کی لڑکی کا نکاح شاہ تمکین کے صاحب زادے سے ہوگیا تو یہ بنیا آٹھ دن کے اندر اندر مر جائے گا۔"

"نہ ہوا تو پھر؟" وہ جھلّا کر بولے۔

"پھر کچھ کہنا مشکل ہے۔ اللہ مالک ہے آپ مایوس نہ ہوں میں کوئی راستہ ڈھونڈوں گا۔"

"خدا کے لئے جلدی ڈھونڈو۔ میرا تو بازار جانا مشکل ہوگیا ہے۔"

یہ بستی ایک چھوٹی سی بستی تھی مشکل سے دس بارہ ہزار کی آبادی ہوگی۔ اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ ننانوے فیصدی جاہل اور اُنگھڑ۔ مگر مجموعی مزاج مذہبی تھا۔ مسجدیں ویران نہیں رہتی تھیں۔

حافظ شوال عالم نہیں تھے مگر واعظ اچھے خاصے تھے اس لئے انھیں مولوی ہی سمجھا جاتا تھا اور اچھی خاصی عزت بھی تھی۔ بارہا فتوے بھی انھی سے لئے جاتے۔ مرنے والوں کے لئے ایصالِ ثواب اور تیجے چہلم وغیرہ میں بھی ان کی خاصی آؤ بھگت ہوتی۔ رجبی، بارہ وفات، میلاد اور قوالی وغیرہ کے تو وہ دولھا تھے۔

خیالات کے اعتبار سے پہلے ان کا اچھا خاصا رجحان مسلک دیوبند کی طرف تھا لیکن تجربے نے بتایا کہ دیوبندیت میں کچھ مزا نہیں۔ نہ ہو حق۔ نہ گرما گرمی۔ بس پھر "سنت والجماعت" ہوگئے۔ اکدم خوش عقیدہ۔ اب وہ دھولے شاہ کے مزار پر سالانہ عرس بھی کراتے تھے۔ یہ مزار غالباً سو سال سے یوں ہی پڑا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کون اللہ کا بندہ اس میں سو رہا ہے۔ دفعتاً ایک رات حافظ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ وہ اسی قبر پر کھڑے ہیں۔ دفعتاً وہ شق ہوئی اور ایک بزرگ اس میں سے برآمد ہوئے۔ لمبی سیاہ داڑھی اور سر پر سیاہ پٹھے تھے۔ لباس گیروا جس سے

نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ اس بستی پر عذاب آنے والا ہے۔ حافظ صاحب نے گھگیا کر پوچھا کہ حضور کون ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ ہم شاہ دھولے ہیں۔ بابر کے شیخ۔ صدیاں ہوگئیں قوالی کو کان ترس گئے ہیں۔ نہ کوئی بدبخت ہماری قبر پر پھول چڑھاتا ہے نہ چادر ڈالتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس بستی میں سب طرف وہابیت پھیل گئی ہے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ اس بستی پر غضب نازل فرما۔ اس نے کہا کہ بھلا پہلے کیوں نہ کہا تھا۔ لو ابھی لو۔ ہم نے کہا ابھی نہیں۔ ایک مہینہ اور انتظار کرتے ہیں۔ پھر بھی بستی والے خوابِ غفلت سے نہ جاگے تب آپ کو اختیار ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ تو پھر اے ہمارے مقبول بندے تجھی کو اختیار دیا جب چاہے اس بستی کو نیست و نابود کر دینا۔ ہم سے مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔

یہ خواب خود حافظ صاحب ہی نے اگلے دن خطبۂ جمعہ کے وقت لوگوں کو سنایا تھا۔ لوگ بیچارے سراسیمہ ہوکر رہ گئے۔ اب حافظ صاحب نے ان کی سراسیمگی رفع کرنے کا انتظام اس طرح کیا کہ مزار پر عرس شروع کر دیا۔ عرس کے علاوہ میلادوں کا انتظام بھی سنبھال لیا تھا۔ کبھی کبھی جامع مسجد میں وعظ بھی کرتے جس میں وہابیوں اور مودودیوں کو خصوصیت سے لتاڑا جاتا۔ ان سب ہنگامہ آرائیوں میں انھیں اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ اسی لئے گھر کا خرچ لسٹم پسٹم چل رہا تھا۔ پھر دیہاتیوں میں وعظ کہہ کر بھی کچھ نہ کچھ کما ہی لیتے تھے۔

لیکن چند ماہ قبل لڑکی کی شادی کی تو بزاز کے مقروض ہوگئے۔ کپڑے والا تو ان پر زیادہ تقاضے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اسے انھوں نے دھولے شاہ کے مزار کا "سجادہ" بنا دیا تھا اور یقین دلایا تھا کہ سال دو سال میں یہاں کا عرس کچھ شہرت پا جائے تو باہر سے کسی مس زہرہ جان یا مس شمشاد بائی کو بھی ضرور بلوائیں گے جس کی قوالی سے دلوں پر جمی ہوئی عمر بھر کی سیاہی دھل جائے گی اور جنت میں داخلہ بے دھڑک

بل جائے گا۔
لیکن بنیا نربجن تقاضے کیسے نہ کرتا۔ وہ بستی کا پرانا بنیا تھا۔ دکان خوب چل رہی تھی مسلمان کثرت سے اسی کے یہاں کھڑے نظر آتے تھے۔ تول میں ایماندار تھا اور بھاؤ بھی مناسب رکھتا تھا۔
میں یہ سوچ کر کہ ممکن ہے میرے سمجھانے سے کچھ نرم پڑ جائے اس سے ملا۔
"حافظ شوال صاحب تمھاری شکایت کر رہے تھے۔ — آخر تمھارے پرانے گاہک ہیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے میاں صاحب۔ مگر کام تو لینے دینے ہی سے چلتا ہے۔ ان کا وعدہ تھا کہ ہر مہینے کم سے کم سو روپے ادا کر دیا کریں گے لیکن اب دو مہینے سے کچھ بھی نہیں دیا۔ آپ بتائیے میرے یہاں بھی تو کوئی خزانہ گڑا ہوا نہیں۔"
"تم غلط نہیں کہتے۔ مگر آدمی کے ساتھ مجبوریاں بھی تو چلتی ہیں۔ وہ تمھارا پیسہ روکنے والے نہیں۔ بس دیر سویر کی بات ہے۔"
اسی وقت گاہکوں کا تانتا ایسا بندھا کہ بات ادھوری رہ گئی۔ میں چلنے لگا تو وہ بولا:۔
"میاں صاحب آپ ان سے کہدیجئے گا کہ جلدی چکتا کر دیں نہیں تو بیاج لگنے لگے گا۔"
اس کا لہجہ ایسا ناخوشگوار تھا کہ مجھے بڑی کوفت ہوئی۔ مگر کرتا بھی کیا۔ گردن جھکائے جامع مسجد میں داخل ہوا۔ ظہر کا وقت تھا۔ بعد نماز اعلان کیا گیا کہ باہر سے کوئی مقرر آئے ہوئے ہیں سب نمازی تقریر سننے کو رک جائیں۔ سب تو نہیں رکے مگر اکثر رک گئے۔ میں بھی رک گیا کہ دیکھوں تو کون بزرگوار ہیں کیا کہتے ہیں۔
وہ ایک جوان آدمی نکلے۔ نام تھا افتخار الدین۔ داڑھی سلیقے کی۔ چہرہ بھرا بھرا۔ آواز میں لوچ بھی تھا اور وقار بھی۔ تقریر اچھی رہی۔ موضوع کوئی خاص نہ تھا۔ عام اخلاقیات اور درستگی معاملات پر زور دیتے رہے۔ بیچ بیچ میں فضول رسومات اور شرک و بدعت کے خلاف بھی قرآن و حدیث کے حوالوں سے کچھ اشارے کیئے۔ خاتمے پر انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں ابھی واپس جا رہا ہوں اگر کسی کو کوئی سوال کرنا ہو کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو شوق سے پوچھ لے۔
"یہ بتائیے۔ وہابیوں اور مودودیوں کو آپ کافر مانتے ہیں یا مرتد؟" دفعتاً ایک آواز بلند ہوئی۔ مجمع چونک گیا۔ میں بھی چونکا۔ آواز حافظ شوال کی تھی۔ وہ ابھی ابھی مسجد میں داخل ہوئے تھے اور سوال کرتے ہوئے صحن کے وسط میں کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کے اردگرد شیخ مسیتا، کالو قصاب اور صوفی مریخ بھی نظر آئے۔ ان میں سے کوئی بھی جماعت میں تو نظر آیا نہیں تھا ظاہر ہے ابھی حافظ شوال کیساتھ آئے ہوں گے۔
میاں افتخار الدین ایک ثانئے خاموش رہے۔ ان کے چہرے پر ناخوشگوار قسم کے اثرات صاف نظر آرہے تھے۔ آخر کار وہ کھکار کر حافظ صاحب اور ان کے ساتھیوں سے گویا ہوئے:۔
"آپ صاحبان آگے بڑھ کر تشریف رکھیں — میں انشاء اللہ مناسب جواب عرض کروں گا۔"
حافظ شوال کے ساتھیوں نے سوالیہ نظروں سے حافظ صاحب کی طرف دیکھا۔ حافظ نے پل بھر کچھ غور کیا۔ پھر جارحانہ انداز میں بولے:۔
"جی نہیں۔ ہم کھڑے ہی ٹھیک ہیں۔ آپ پہلے ہمارے سوال کا جواب دیجئے۔"
"بہت بہتر ـــــ" افتخار میاں کا لہجہ اب کچھ پُرسکون تھا۔ "آپ مہربانی فرما کر پھر سے اپنا سوال دہرائیں"
"کیوں دہرائیں پھر سے۔ آپ کیا بہرے ہیں؟"۔
حافظ صاحب کے لہجے میں تندی تھی۔
"اوہ ـــــ اچھی بات ہے۔ مجھے نہیں معلوم وہابی اور مودودی کسے کہتے ہیں۔ پہلے آپ ان اصطلاحوں کا مطلب مجھے سمجھائیں۔"
حافظ صاحب نے اس طرح آنکھیں پھڑپھڑائیں جیسے

ان میں دھواں گھس گیا ہو۔ پھر مضطرب انداز میں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ساتھی بھی دم بخود سے تھے۔ شاید مقرر کا سوال ان سب کے لئے خلافِ توقع رہا ہو۔

"آپ وہابی اور مودودی کے معنی نہیں جانتے — واہ صاحب واہ۔" حافظ شوال غرائے "اچھا یہ بتائیے اسمٰعیل دہلوی اور اشرف علی تھانوی کو جو لوگ مسلمان کہتے ہیں وہ کافر ہیں یا مرتد؟"

"میں ان دونوں صاحبوں کو بھی نہیں جانتا — کون ہیں؟" افتخار میاں کا لہجہ سپاٹ تھا۔ چہرے پر تحمل اور طمانیت کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"اوہ تو آپ اتنے ہی بھولے ہیں۔" حافظ صاحب جھلا گئے "میاں جب کچھ جانتے ہی نہیں تو تقریر کرنے کیوں کھڑے ہو گئے۔ اچھا بتاؤ اولیاء اللہ کے مزار شریف پر لیڈی منٹن کی چادر چڑھانے میں زیادہ ثواب ہے یا فلالین کی —؟"

"قبلہ و کعبہ — میری معلومات صرف قرآن و حدیث تک محدود ہیں۔" افتخار میاں نے کنّی کاٹی۔

"دیکھا بھائیو" حافظ صاحب نے پُر شور آواز میں مجمع کو مخاطب کیا "گویا اولیاء اللہ کچھ ہیں ہی نہیں۔ یہی تو ترکیبیں ہوتی ہیں وہابیوں کی۔ چلو اٹھو کیوں اپنا دین ایمان خراب کر رہے ہو۔"

مجمع میں اضطراب کی لہر دوڑی۔ کچھ گنگناہٹیں بلند ہوئیں پھر ادھر اُدھر سے متعدد آدمی اُٹھ گئے۔

"ٹھیر جائیے حضرات" افتخار میاں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ — "آپ صبر و سکون سے میری معروضات سنیں۔"

"بالکل نہیں سنیں گے" حافظ صاحب اور ان کے ساتھیوں نے غل غپاڑے کے انداز میں کہا۔ ان کی ہمنوائی میں کئی اور لوگ بھی شور مچانے لگے۔

میں بغور افتخار میاں کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اب ان کی پیشانی پر پسینے کی نمی نظر آ رہی تھی۔ چہرہ اُتر گیا تھا۔ انھوں نے ایک بار پھر کوشش کی۔

"بھائیو اور دوستو — صرف پانچ منٹ —"

مگر "صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں" — مجمع اُکھڑ چکا تھا۔ حافظ صاحب کے پیچھے پیچھے سبھی اٹھے چلے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد مجھ سمیت صرف دس آدمی رہ گئے۔ یہ دس وہی تھے جنھوں نے غلطی سے کچھ پڑھ لکھ لیا تھا جانے والوں میں شاید کوئی مڈل پاس بھی نہ رہا ہو۔

"ہمیں افسوس ہے جناب عالی" میں نے آگے بڑھ کر افتخار میاں سے معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں" انھوں نے مضمحل سی آواز میں کہا۔ — "یہ مرحلے تو آتے ہی رہتے ہیں۔"

"مگر معاف کیجئے، یہ ماتھے کا پسینہ تو بتا رہا ہے کہ ایسی آزمائش سے پہلی ہی بار گذرنا پڑ رہا ہے۔

"جی بے شک — اتنی اچانک گڑبڑ —"

"پروا نہ کیجئے — اصلاح کا کام آسان نہیں ہے۔ آگ کے دریا سے گذرنا پڑتا ہے۔"

"بجا فرمایا — جناب کی تعریف؟" انھوں نے پوچھا۔

"تعریف سے یکسر مستغنی ہوں۔ میرا خیال ہے آپ فوراً ہی یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ دیر خطرناک ہوگی۔"

ان کی آنکھوں سے تحیّر اور خوف ایک ساتھ جھانکے۔ — "کیا معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا؟" ان کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"جی نہیں۔ ابھی تو سمجھئے شروع بھی نہیں ہوا۔ یہ بستی ایسی ہی ہے۔"

"اچھا جناب۔ شکریہ۔"

پھر وہ تیز تیز رخصت ہو گئے۔

مجھے علم تو تھا کہ یہاں والے کس ٹائپ کے ہیں مگر یہ پھر بھی نہیں سمجھتا تھا کہ اس درجہ خوش عقیدہ ثابت ہوں گے۔ زیادہ حیرت حافظ صاحب پر تھی۔ وہ اتنے شدید سنت والجماعت بن جائیں گے یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

شام کو ملاقات ہوئی تو میں نے کہا۔

"آپ نے کمال کر دیا —— وہ غریب آپ کا کیا بگاڑ رہا تھا۔"

"کون غریب؟"

"ارے وہی مقرر۔ بیچارا ڈر کر بھاگ گیا۔"

"میاں تم نہیں سمجھتے۔ اگر ایسی تقریریں یہاں ہونے لگیں تو ہمارا بیڑا ہی غرق ہو جائے گا —— تم تو دیکھ ہی رہے ہو اب بھی گاڑی مشکل سے کھنچ رہی ہے۔ بنیا برابر تقاضے بھیج رہا ہے۔"

"دونوں باتوں کا باہمی ربط خادم نہیں سمجھ سکا۔"

"عقل پر زور ڈالو —— شرک و بدعت کے بہانے یہ وہابیے اور مودودیئے تعویذ گنڈوں سے بھی لوگوں کو بدکاتے ہیں۔ میلاد اور عرس کا بھی ستیاناس کرتے ہیں۔"

"مگر حافظ صاحب اُس غریب نے تو نہ تعویذ گنڈوں کا ذکر کیا نہ عرس و میلاد کا۔"

"پڑے نہ کیا ہو۔ مگر یہ قرآن حدیث کی رٹ —— یعنی ہمارا مطلب ہے کہ قرآن و حدیث تو بس بہانے ہیں۔ یہ اصل میں بھولے بھالے عوام کے دلوں سے مذہب کی محبت نکال دینا چاہتے ہیں۔ بڑے عیار ہیں تم انھیں کیا سمجھو گے۔"

"آپ کے آگے تو خیر بندہ طفلِ مکتب ہے لیکن —— بُرا نہ مانیئے گا وہابی کا ٹھیک مطلب مجھے بھی معلوم نہیں —— حرج نہ ہو تو سمجھائیے۔"

ان کی آنکھوں میں الجھن اور چہرے پر بدمزگی کے آثار ہویدا ہوئے۔

"اوہو —— وہابی کا مطلب کیا سمجھانا۔ میاں جو کہتے پھرتے ہیں کہ عرس نہ کرو قوالی نہ سنو۔ قبر و نیر دعائیں نہ کرو۔ اولیاء اللہ سے مدد مت مانگو۔"

"اور مودودیئے؟"

"وہ ان سے بھی دو جوتے آگے ہیں۔ کیا پوچھتے ہو۔ وہ تو نہ رسول کو مانیں نہ صحابی کو۔ خدا کو بھی بس نام چارے کو مانتے ہیں۔ کئی مودودیئے تو ہم نے ایسے بھی سُنے ہیں جو تیس پاروں ہی کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں پندرہ پارے ہیں۔ ان کے استاد عبدالمودود نے بس پندرہ سپاروں کی تفسیر لکھ کر ختم کر دی۔"

"عبدالمودود؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں بھئی۔ ان کے بڑے استاد کا یہی نام ہے۔ اسی لئے تو مودودیا کہلاتے ہیں۔"

"مجھے اجازت ہو تو اپنی جہالت پر عش عش کروں؟"

"کر لو منع کون کرتا ہے۔"

"مگر چائے تو ہے نہیں۔ بغیر چائے کے عش عش دنیا میں کون کر سکتا ہے۔"

"ارے یار چائے تو پلا دیں مگر بنیے کا بھی کچھ سوچا؟"

"سوچ لیا —— چائے کے ساتھ دو انڈے تھوڑی سی مٹھائی۔"

"ہو گئی بکّی —— پہلے بتاؤ کیا سوچا۔"

"اب اتنا بھی احمق نہیں۔ ناشتہ پہلے۔ ترکیب بعد میں۔"

انھوں نے بڑی سعادتمندی سے فرمائش پوری کر دی۔ ایک عجیب سی اسکیم میری کھوپڑی کے کسی تاریک سے گوشے میں کلبلا تو رہی تھی مگر ابھی اس کا سر پیر شعور کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔

"ہاں تو اب بتاؤ۔" انھوں نے اصرار کیا۔

"حضور کیا بتاؤں —— ترکیب کوئی کھیل تو نہیں ہے۔ بچہ بھی ماں کے پیٹ سے الکدم برآمد نہیں ہو جاتا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ تم تو بعض اوقات بڑی ہی بے تکی باتیں کرنے لگتے ہو۔"

"آپ کا فیضِ صحبت ہے —— جی ہاں ورنہ بندہ کس قابل ہے۔"

"یہ تو نمک حرامی ہوئی۔ ناشتہ بھی ٹھونس لیا اور ترکیب بھی نہیں بتاتے۔"

"میرے اچھے حافظ صاحب —— تھوڑا سا وقت چاہوں گا۔ ابھی کہیں قیامت تو نہیں آئی جاتی۔"

"وہ اجبث روز تقاضے کر رہا ہے۔ اہلیہ بہت بگڑ رہی ہیں۔"
"پروا نہ کیجئے۔ اہلیائیں تو بگڑنے ہی کے لئے ہوتی ہیں۔ وہ نہ بگڑیں تو انھیں اہلیہ کون کہے۔"
"لعنت ہے تم پر" ان کی بیزاری حد انتہا کو پہنچ گئی۔ ایسا منھ بنایا جیسے مکھی نگل گئے ہوں۔
"فی الحال اجازت دیجئے۔ انشاء اللہ کل دیکھئے گا۔ نہ بنیا آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا پھرے تو مونچھیں منڈوا دیجئے گا۔"
"سچ" - ان کا چہرہ کھل گیا۔
"جھوٹ میری سات پشتوں میں کسی نے نہیں بولا۔" میں نے انھیں اطمینان دلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اسکیم کا مدار اندازے کی صحت پر تھا۔ اندازے کی صحت کی جانچ کرنے کے لئے میں اگلے دن صبح سے شام تک ادھر اُدھر چکر اتا پھرا۔ کبھی صمد قصائی کی دکان پر دیکھا جا رہا ہوں کبھی احمد حلوائی کے تختے پر نظر آ رہا ہوں۔
"تقریر تو اچھی تھی نا غوث بھائی۔" یہ میں نے غوث ٹیلرنگ شاپ کے پروپرائٹر غوث الدین سے استفسار کیا تھا۔ اشارہ افتخار میاں کی تقریر کی طرف تھا۔
"سننے میں تو اچھی تھی صاحب — مگر خدا بھلا کرے حافظ شوال صاحب کا انھوں نے وقت پر بچالیا۔"
"بچالیا؟" میں نے حیرت ظاہر کی۔
"اور کیا صاحب۔ وہ نہ پکڑتے تو ہمیں کیا پتہ چلتا کہ یہ وہابیہ مودودیہ ہے۔ بڑے چالاک ہوتے ہیں یہ لوگ۔"
"ٹھیک فرماتے ہیں۔ میں نے تو مسجد سے جاتے ہی کانوں میں کڑوا تیل ڈالا تھا۔ بڑی مشکل سے تقریر کے اثرات دور ہوئے۔"
تھوڑی دیر بعد میں فدا علی بساطی کی دکان پر پہنچا، دعا سلام کے بعد مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔
"آپ بھی تو تھے مسجد میں — خدا کی پناہ یہ وہابیہ مودودیہ کتنے بدنیت ہوتے ہیں۔ ایسی تقریر کریں گے جیسے ساری دنیا کا قرآن حدیث انھی کی جاگیر ہے۔" میں نے بات چھیڑی تھی۔
"ہمیں تو پہلے ہی نظر آ رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ جب اس نے تقریر شروع کی کہ اللہ قرآن میں یہ فرماتا ہے اور رسولؐ حدیث میں یہ فرماتا ہے تو اسی سے ہم سمجھ گئے تھے۔"
"سمجھ گئے تھے نا — ماشاء اللہ۔ یہاں مذہبی فضا بہت اچھی ہے۔ جسے دیکھو خوش عقیدہ۔"
"کیوں نہیں صاحب۔ سبھی سنت والجماعت ہیں۔ حافظ شوال صاحب نے بڑا کام کیا ہے۔ ان کی وجہ سے بہت اصلاح ہوگئی۔"
اسی طرح نہ جانے کتنوں سے مکالمے بازی کر کے آخر کار مجھے اسّی فی صدی توقع ہوگئی کہ اسکیم انشاء اللہ چل جائیگی۔ چنانچہ ذیل کا مضمون مرتب کیا:-

"غضب ہوگیا
اے سنت والجماعت بھائیو
تم پوچھو گے کیا غضب ہوگیا۔ ارے مت پوچھو کیسی قیامت نے سر اُٹھایا ہے۔ دنیائے ایمان میں سخت بھونچال آیا ہے۔ سنو گے تو اچھا سنو کہ اپنے شہر کا نرنجن بنیا وہابیہ مودودیہ ہوگیا ہے۔ خدا کی پناہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ کلامِ انیق بالتحقیق تمہارے گوش گذار کیا جاتا ہے کہ فتوے کی رو سے وہابیہ مودودیہ فرقۂ جہنمیہ سے موالات یعنی علیک سلیک، واسطہ مطلب کچھ بھی جائز نہیں۔ حرام الحرام بلکہ احرم الحرام ہے۔ جس نے فتوے سے روگردانی کی اسکی بیوی پر طلاق اور غوث الاعظم دستگیر کی شفاعت اسے نصیب نہیں ہوگی۔ وما علینا الا البلاغ۔
المعلن۔ آپ کا خیر خواہ۔ قاری حافظ شوال چشتی قادری نقش بندی۔"
یہ مضمون لے کر میں حافظ شوال سے ملا۔
"اسے کل ہی چھپوا کر تقسیم کرا دیجئے۔ سو پچاس نہ اردو

پر بھی لگوا دیجئے گا۔"

انھوں نے مطالعہ فرمالیا تو آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی ——" بات تو برخوردار تم نے دُور کی سوچی ہے۔ مَیں خود کچھ روز سے اندازہ کر رہا تھا کہ ہو نہ ہو نرنجن کے عقائد کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ کمبخت پہلے تو کتنا خوش اخلاق تھا۔ اب کتنا بد اخلاق ہو گیا ہے۔ جب دیکھو تقاضا۔"

"لیکن ایک کام آپ کو اور کرنا ہو گا۔ آٹھ دس روز کے لئے باہر نکل جائیے۔ اُمید ہے کہ اس دوران میں بنیے کا دماغ درست ہو جائے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ ہمیں جانا بھی تھا۔ اللہ مالک ہے۔"

اگلے دن پمفلٹ چھپے اور بٹ گئے۔ بازار اور گلی کوچوں کے علاوہ انھیں بچوں کے ذریعے گھروں میں بھی پہنچایا گیا۔ بس پھر تو ہر طرف چہ میگوئیوں کی لہر دوڑ گئی۔ کسی کو حیرت ہے۔ کسی کو غصہ۔ کوئی دستِ تاسف مل رہا ہے۔ بہتیرے لوگ باری باری حافظ صاحب کے گھر پہنچتے رہے مگر مَیں انھیں اطلاع دیتا رہا کہ وہ پونا ایک جلسۂ میلاد کی صدارت کرنے گئے ہیں۔ بہت سوں نے مجھ سے ہی اس پمفلٹ کی حقیقت پوچھ ڈالی۔ میں نے انھیں بتایا۔

"معاملہ بہت خطرناک ہے بھائی۔ یہ وہابیت اور مودودیت پہلے دو بیماریاں ہوا کرتی تھیں۔ اب شیطان لعین کی چالبازی سے ایک ہی ہو گئی ہیں۔ دونوں مل کر ایک ساتھ حملہ کرتی ہیں"

"مگر صاحب۔ بنیا بھلا کیسے ——"

"خبردار۔ دین کے معاملے میں کیوں اور کیسے نہیں کیا کرتے۔ اب تو بھلائی اسی میں ہے کہ بنیے سے دُور رہو۔ خدا بچائے۔"

کئی دن اسی طرح کا چکر چلتا رہا۔ جن کے دلوں میں کچھ وسوسے تھے انھیں میں نے کسی نہ کسی طرح باور کرا ہی دیا کہ وہابیت مودودیت کی زد سے نہ شیخ باہر ہے نہ برہمن۔ یہ خطرناک وبائیں ذات مذہب کچھ نہیں دیکھتیں۔ بس لگ جاتی ہیں۔ ہڈیوں کے گودے میں گھس جاتی ہیں۔ ایمان و اسلام کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہیں۔

ہو سکتا ہے کچھ لوگ میری تنبیہات سے مطمئن نہ ہو سکے ہوں لیکن زیادہ تر مطمئن ہی ہو گئے چنانچہ بنیے کا عالم آٹھ ہی دن میں یہ ہو گیا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔ گاہک ندارد۔ جس گولک سے ہر رات دو ڈھائی سو روپے لے کر اٹھتا تھا اس میں اب بمشکل سے چالیس پچاس آ رہے ہیں۔ بے چارہ سخت پریشان۔ مزید پریشانی یہ تھی کہ وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کوئی اسے بتاتا کہ تم وہابی مودودی ہو گئے ہو تو وہ حیرت سے پوچھتا —— "اس کا کیا مطلب ہوا؟" —— بتانے والا جواب دیتا —— "جواب سوال حافظ شوال سے کرنا۔" وہ کہتا "حافظ جی تو ہیں ہی نہیں۔ تم ہی جو بتا دو۔" جواب ملتا —— "ابے ہم کوئی مولوی ملا ہیں جو بتا دیں —— یہ دھرم کی بات ہے۔ تمھیں کیا پتہ۔"

اس کی عقل حیران رہ جاتی۔ ایک روز مجھے آواز دے کر پمفلٹ دکھایا۔

"میاں صاحب اس کا آخر کیا مطلب ہوا —— ذرا پڑھ کر تو سنا دو۔"

"کسی اور نے نہیں سنایا؟"

"سنایا تھا مگر سمجھ میں نہیں آیا۔"

"پھر مَیں کیا سمجھا سکوں گا ——"

"اجی آپ تو مولوی آدمی ہیں۔ یہ رکابی میں دودھ کیا ہوتا ہے؟ میں تو دودھ پیتا ہی نہیں۔"

"غلطی کرتے ہو —— سوتے وقت گرم گرم پی لیا کرو۔ جوانی لَوٹ آئے گی۔"

"اجی جوانی پہ جھاڑو پھیرو میاں جی۔ میری تو دوکان ٹھپ ہو گئی ہے۔"

"ابھی کیا ٹھپ ہوئی —— تالا پڑ جائے گا۔ یہ تو ایک ہی پرچہ چھپی ہے۔ حافظ جی سفر سے لَوٹ کر دوسری چھاپیں گے تو یہ دس بیس گاہک جو رہ گئے ہیں یہ بھی پرلوک سدھار جائیں گے۔"

"ہے بھگوان —— ایسا کلجگ تو نہ سنا نہ دیکھا۔"

"اور کرو حافظ جی پر تقاضا ——"

وہ اچھل پڑا ——— "ہاہ ----- ہوہ ----- اب میں سمجھا جی - توبہ میری صاحب - کان پکڑوں ہوں"۔

اب کیا ہو سکتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

"میں تو حافظ جی کے پیر پکڑ لوں گا - واہ جی واہ دکان تو انھی کی ہے - وہ تو میری مت ماری گئی تھی"۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا - دوسری پرچی وہ تیار کرا کے رکھ گئے ہیں"۔

"نا جی نا - تم تو حافظ جی کے بڑے یار ہو - شما کرا دو --- ہاتھ جوڑوں ---"

"ہے تو مشکل - خیر میں کوشش کروں گا - مگر دو شرطیں ہیں - ایک تو ان سے کبھی پچھلے پیسے نہیں مانگو گے دوسرے انھیں برابر سودا دیتے رہو گے"۔

"کہا تو جی کہ دکان انھی کی ہے - وہ مالک ہیں"۔

"ٹھیک ہے ---- مگر ہاں ایک شرط تو رہ گئی - دس گز نے پیر پر عرس بھی کرانا ہوگا"۔

"اپنی ماں کو روئیں گے اور کرائیں گے میاں جی - کتنا خرچ ہوگا"۔

"یہی کوئی ڈیڑھ سو ---"

ٹھنڈا سانس بھر کر اس نے یہ بھی منظور کر لیا - اسی دن میں نے ذیل کا اعلان تیار کیا :-

خیر ہو گئی

اے سنت والجماعت بھائیو

مژدہ ہو کہ آپ کے خادم ناچیز حافظ شوال چشتی نقشبندی نے درود غوثیہ کے زور سے نرنجن بنیے کی وہابیت مودودیت کا تیا پانچہ کر دیا ہے - الحمد للہ شیطان فی السقر ہوا مگر اہی کا بھوت اتر گیا - اب اپنے بنیے سے پہلے کی طرح میل جول لین دین خطرے سے خالی ہے - اس نے اپنی حالت ٹھیک بنالی ہے - خدا کی شان نرالی ہے -

غوث الاعظم دستگیر پیران پیر زندہ باد -

آپ کا ہمدرد حافظ شوال چشتی قادری نقشبندی

ظاہر ہے یہ اشتہار حافظ صاحب کی واپسی پر چھپوا کر بٹوا دیا تھا اور بنیے کی دکان پھر چل نکلی تھی - اسی کا نام ہے -

دنیا رنگ رنگیلی بابا دنیا رنگ رنگیلی

عامر عثمانی

کھرے کھوٹے

مذہب اور سائنس

• تالیف:- مولانا عبدالباری ندوی - سابق پروفیسر فلسفۂ جدید عثمانیہ یونیورسٹی - حیدر آباد دکن -
• شائع کردہ:- مجلس تحقیقات و نشریات اسلام - پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ • سائز متوسط - صفحات ۲۹۸ کاغذ سفید - طباعت و کتابت بہتر - قیمت مجلد آٹھ روپے -

---

"سائنس اور مذہب" کے موضوع پر اردو میں چھوٹی بڑی متعدد کتابیں مارکیٹ سے مل سکتی ہیں لیکن تبصرہ نگار کے محدود مطالعے کی حد تک اس سے بہتر اور وقیع کتاب اب تک اشاعت پذیر نہیں ہوئی - یہ کسی ایسے شخص کی تالیف نہیں ہے جس نے کسی ہنگامی رو اور وقتی تحریک کے تحت سائنس اور علوم جدیدہ کا غیر مرتب مطالعہ کرکے مذہبی جوش اور عقیدت کے ساتھ کچھ لکھ مارا ہو بلکہ ایک ایسے بزرگ کی تالیف ہے جنھوں نے سائنس، فلسفۂ جدید اور علوم عقلیہ کی تعلیم و تعلّم میں ایک عمر گذاری ہے اور اُمّہاتِ کتب کو ایک ذہین طالب علم کی طرح پڑھا ہے شاید اسی لئے اس بیش بہا کتاب کو ڈاکٹر رضی الدین جیسے شخص نے اپنے قیمتی مقدمے سے مزیّن کرنا پسند فرمایا۔ ڈاکٹر رضی الدین پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہیں۔ اور بقول مولانا دریابادی ان کا شمار وقت کے معتمد اور مستند ماہرینِ فن میں ہوتا ہے - ان کا مقدمہ سترہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت کو چار چاند لگ گئے ہیں -

مقدمے سے قبل خود فاضل مؤلف نے اپنا مفصّل تعارف تقریباً ۲۳ صفحات میں دیا ہے - اللہ تعالیٰ انھیں تادیر زندہ سلامت رکھے اور کتاب کا وہ دوسرا حصّہ بھی ہمیں دکھائے جو اس انمول کتاب کو تکمیل کا درجہ دے گا -

فلسفے اور جدید سائنس کے انتہائی دقیق نظریات اور طبعیات کے نازک مباحث پر مشتمل ہونے کے باوجود یہ کتاب ناول سے زیادہ دلچسپ ہے بشرطیکہ قاری تھوڑا سا علمی و تحقیقی مزاج رکھتا ہو - آج کل خلائی طبعیات کے بارے میں جو معلومات اُردو اخبارات و رسائل میں بکھری نظر آتی ہیں وہ اور ان سے بہت آگے کی دریافتیں اس کتاب میں زیرِ بحث آگئی ہیں - آنکھیں کھل گئیں یہ دیکھ کر کہ عوام ہی میں نہیں بہتیرے خواص تک میں جو سائنسی نظریات آج تک مسلّمات و قطعیات کی حیثیت سے معروف و متعارف ہیں وہ بھی عرصہ ہوا خود سائنس ہی کے ہاتھوں "مرحوم" ہو چکے ہیں اور حد ہے کہ جس مغربی دنیا کی مادّہ پرستی کا غل غپاڑہ آسمان تک پہنچا ہوا ہے اسی کے بلند پایہ سائنس داں اور فلاسفر سالہا سال ہوئے یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ مادّے کا کوئی وجود نہیں ہے اور

سوائے ایک عظیم ذہن ودماغ کے کائنات اور نیچر کی کوئی توجیہہ قابلِ قبول نہیں رہی ہے۔

نیوٹن کے قانونِ کشش کا کیسا غلغلہ تھا اور ہے مگر صفِ اوّل کا سائنس داں ریڈنگٹن تحقیق و تفحص کے بعد فیصلہ دیتا ہے:۔

"کائنات کا وہ نظریہ جو کشش جیسے اَن دیکھے قانون کی کارفرمائی کو مانتا ہے کیا اس سے زیادہ کچھ بھی سائنسی ہوتا ہے جو وحشی انسان ہر اس چیز کو جسے پُراسرار پاتے ہیں اَن دیکھے دیبی دیوتاؤں کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔"

آدمی کو بندر کی اولاد بتانے والے نام نہاد ارتقا کے بارے میں یہ اقرار تو ۱۰۸ سال قبل ۱۸۶۳ء ہی میں سر آرتھر جیسا مادہ پرست کرچکا تھا کہ:۔

"ارتقا نہ صرف ناثابت بلکہ ناقابلِ ثبوت ہے۔ باقی ہم اس کو مانتے صرف اس لئے ہیں کہ اس کا واحد بدل صرف نظریۂ تخلیق ہے جو ناقابلِ فہم ہے۔"

اس کے بعد یہ نوبت آئی کہ اب سوائے "نظریۂ تخلیق" کے کوئی بھی نظریہ "قابلِ فہم" نظر نہیں آرہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قلوب پر لگی ہوئی مہریں "اسلام" کی طرف جانے سے روکے ہوئے ہوں۔

کتاب کی قدر وقیمت کا اندازہ مطالعے ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ فاضل مؤلف میں بیان مطالب کی بڑی صلاحیت ہے۔ کاش قلم میں روانی اور شگفتگی تھوڑی سی اور ہوتی۔

بعض الفاظ نئے نظر آئے۔ مثلاً مکھی کی جگہ مماکھی (صـ ۵۸، ۵۹) افسانوی کی جگہ "افسانائی" (صـ ۸۲) نفسانیت کی جگہ "نفسیت" (صـ ۲۵۵)

کتابت کی غلطیاں قابلِ لحاظ حد تک رہ گئی ہیں۔ بعض جگہ تو ان سے مطلب ہی خبط ہوگیا ہے۔ جیسے صـ ۱۲۶ پر

"جو چیز جتنی تیز رفتار سے چلتی ہے اتنی ہی اس شے سے موصول ہونے والی روشنی قوسِ قزح کے سُرخ نکلنے کی طرف سے ہٹی جاتی ہے۔"

یقیناً یہاں کتابت درست نہیں ہوئی ورنہ آخری جملہ مہمل ہوکر نہ رہ جاتا۔

یا مثلاً صـ ۲۶۰ پر یہ شعر:۔

عیاں نہ شد کہ چرا آمدم کجا بودم
دریغ درد کہ غافل زکار خویشتم

دوسرا مصرعہ غتربود ہوگیا۔

صـ ۱۵۲ کی درج ذیل عبارت معلوم نہیں نقص کتابت کا شکار ہے یا خود مؤلف مافی الضمیر کو مناسب طور پر بیان نہیں کرسکے ہیں:۔

"یعنی یہ دونوں قسم کے واقعاتِ نفس اپنی واقعاتی حیثیت سے ماورا مادّہ اور ذہن نام اس غیبی حقیقت کی حقیقت یا نوعیت کا کوئی قطعی و صحیح علم عطا نہیں کرتے۔"

اسی نوع کی ایک عبارت صـ ۲۶۰ پر بھی ہے:۔

"یعنی اب تک جس طرح ہم یہ جانتے تھے کہ کوئی جسم لمبان چوڑان اور گہراؤ کے صرف تین جہات یا ابعاد رکھتا ہے اور ان کا ایک دوسرے کے بغیر یا جداگانہ تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح مکان بھی زمان ہی کا چوتھا بُعد ہے جو ان تینوں سے اپنا کوئی جُداگانہ وجود نہیں رکھتا۔ اسی لئے مکان و زمان کا فاصل واو عطف بھی حذف کرکے "مکان۔زمان" کو ایک ہی مسلسل حقیقت قرار دیا جاتا ہے"

جس فقرے پر ہم نے لائن کھینچدی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ وہ غلط طور پر محترم مؤلف کے قلم سے نکل گیا۔ ذکر اجسام کے ابعاد و جہات کا ہے اور جیسا کہ فاضل مؤلف صـ ۲۳۰ پر بیان فرماچکے ہیں کہ "زمان و مکان" کو ایک ہی شے مانا جاچکا یہاں تک کہ ان کے درمیان کا واو الگ کرکے

"زمان مکان" کہا جانے لگا اور "یہ زمان مکان بھی" اپنا کوئی الگ وجود نہیں رکھتا بلکہ اجسام کے تینوں بُعدوں (لمبائی، چوڑائی، گہرائی) کی طرح یہ اجسام ہی کا چوتھا بُعد ہے اور ہماری سہ ابعادی دنیا سائنسدانوں کی نظر میں "چار ابعادی" دنیا بن گئی ہے۔ اس تصریح کی روشنی میں قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ خط کشیدہ فقرہ یوں ہونا چاہئے تھا:۔

"اسی طرح "مکان زمان" بھی جسم ہی کا چوتھا بُعد ہے۔"

بُعد و جہت کا قضیہ ہے ہی اجسام سے متعلق۔ زمان سے نہیں۔ "مکان زمان" تو ایک ہی چیز مانے جا چکے پھر کیا سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکان، زمان کا بُعد ہو ۔۔ چہ جائیکہ چوتھا:۔۔۔ چوتھے کا مطلب تو یہ ہوا کہ تین بُعد زمانے میں پہلے ہی تسلیم کئے جا چکے حالانکہ تین بُعد اجسام میں تسلیم کئے گئے ہیں زمانے میں نہیں۔

صفحہ ۲۳۲ پر:۔

"لیکن دوران خواب کے نفس ذہنی خیالات کے وجود میں شک کرنا کیسے ممکن ہے۔"

ہمارا خیال ہے کہ لفظ "نفس" یہاں مناسب طور پر استعمال نہیں ہوا۔ "بجائے خود" کہنے کا موقع تھا۔ یا "فی نفسہ" کہا جاتا۔ گو کہ اضافت (کے) کا تکرار عبارت کو فصیح پھر بھی نہ بننے دیتا۔ مناسب عبارت یوں ہوتی۔

"لیکن دوران خواب میں آنے والے ذہنی خیالات کا وجود بجائے خود شک سے بالاتر ہے۔"

الجھی ہوئی انشاء کا ایک نمونہ۔ ص ۲۷۵

"سائنسی حقائق کا کیا ذکر کم و بیش ہر آدمی کو جس کی طلب و آرزو اس کے ظاہری حالات و اسباب کے دیکھتے بالکل کسی ان ہونی شے کی تڑپ بار ہا بظاہر اپنے اس ان ہونے مطلوب تک کو پا کر رہتی ہے۔"

صفحہ ۲۵۸ پر:۔

یا آرتھر ایڈنگٹن کی تعبیر میں انسان کے اندر جو اس کا روحانی عنصر پایا جاتا ہے وہ علم یا جاننا ہی ہے یعنی جس حقیقت و خصوصیت کو انسانی روح کہا جا سکتا ہے وہ وہی ہے جو جانتی ہے۔"

اس عبارت کے لفظ "جاننا" پر حاشیہ کا نشان دیکر یہ آیت دی گئی ہے۔ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ اس آیت کا یہ کیا محل تھا۔ ایڈنگٹن نے علم انسانی کو "روح" سے تعبیر کیا ہے جبکہ اس آیت میں انسانی روح یا انسانی علم کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ تو خالق کائنات کے "علم" کا ذکر کر رہی ہے۔ "روح" کی تعبیر خواہ کسی لفظ سے کی جائے بہرحال وہ مسلمان کے نزدیک تو "خدا" کے مرادف نہیں ہو سکتی۔ یقیناً وہ "امرِ ربّی" ہے مگر خود "رب" نہیں ہے۔ اگر ہماری سمجھ خطا نہیں کرتی تو ایسا گمان ہوتا ہے کہ آیت محض سطحی اور لفظی مناسبت سے دیدی گئی ۔۔ حالانکہ علمی و معنوی لحاظ سے اس کا کوئی محل نہیں تھا۔

ہمیں احساس ہے کہ حضرت مؤلف جیسی جلیل القدر ہستی کی کتاب میں اس طرح کے شوشے نکالنا بظاہر جسارت اور گستاخی ہی نظر آتی ہے۔ لیکن تبصرہ نگار کی حیثیت میں ہم اسے بد دیانتی اور حق پوشی سمجھتے ہیں کہ دورانِ مطالعہ میں جو اجزاء ہمیں لائقِ گفتگو محسوس ہوں انھیں محض اس لئے چھپا جائیں کہ یہ چھوٹا منھ بڑی بات ہو گی۔ ویسے یہ خوش فہمی ہمیں ہرگز نہیں کہ جسے ہمارے علم و فہم غلط کہہ دیں وہ لازماً غلط ہو گا۔ عین ممکن ہے کہ جگہ جگہ خود ہم سے کوتاہی یا حماقت ہو جاتی ہو ۔۔ من آنم کہ من دانم۔

حاصل تبصرہ یہ ہے کہ کتاب اپنے مواد کے اعتبار سے لاجواب، اپنے اندازِ بیان کے اعتبار سے ایمان افروز، اور اپنے مقصد کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ ہے۔ ہماری آنکھیں اس کا حصۂ ثانی دیکھنے کے لئے بے چین رہیں گی۔

لاہور کا جو ذکر کیا

• از۔ گوپال متّل • شائع کردہ:۔ مکتبۂ تحریک ۹ء انصاری مارکیٹ۔ دریا گنج۔ دہلی ۶

• صفحات ۱۶۸، کاغذ سفید۔ کتابت غنیمت۔ طباعت غیر معیاری۔ قیمت مجلد ۔۔۔ چھ روپے۔

ماہنامہ "تحریک" کے مدیر جناب گوپال متل اچھے نثر نگاروں میں ہیں۔ نہ کیوں ہوتے۔ ان کی ابتدائی زندگی جن صحبتوں میں گذری، جو مشاغل انھوں نے اختیار کئے وہ بہر حال ایسے تھے کہ ان کے نتیجے میں انھیں ایک اچھا انشا پرداز بن ہی جانا چاہئیے تھا۔ ان صحبتوں اور مشغلوں کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔ اس کتاب کو آپ بیتی ہی کہنا چاہئیے یہ الگ بات ہے کہ ضمناً یہ جگ بیتی بھی بن گئی ہے۔

عمدہ نثر کے دو نمونے:۔

(۱) "کمیونسٹ حضرات اب ان کتابچوں کے حوالے سے مجھ پر تحوّل کعبہ کا الزام لگاتے ہیں ۔۔"

اس جملے میں "تحوّل کعبہ" کی تلمیح اتنی نفیس ہے کہ وجدان جھوم اٹھا۔

(۲) "کانگریس اور متحدہ قومیت پر ایمان تھا تو "آب زمزم" میں غوطہ لگانے کے ساتھ ساتھ "گنگا میں ڈبکی" لگانا بھی ضروری سمجھتے تھے اور مخلوط انتخاب کے بھی شدومد سے قائل تھے۔"

کنائے اور تمثیل کا حسن اسی کو کہتے ہیں۔ یہی بات غیر کنائی الفاظ میں خواہ کتنی ہی سجا بنا کر لکھ دی جائے مگر وہ مزا نہیں دے گی جو یہاں دے رہی ہے۔

اس کتاب میں اُردوئے معلّی اور انشائے بلیغ کے ٹکڑے ستاروں کی طرح جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ متل صاحب کی نثر عموماً ہمیں رشک میں مبتلا کر دیتی ہے اور خود اپنی خامہ فرسائیاں اس کے سامنے پھسپھسی لگنے لگتی ہیں۔

دلچسپی کے اعتبار سے بھی اس کتاب کا مقام صفِ اوّل میں ہے اور بیان و اظہار کی بے ساختگی، دیانت و امانت اور صاف گوئی ورق ورق سے عیاں ہے۔

ایجاز ۔۔ یعنی کم الفاظ میں زیادہ مضمون خوبصورتی سے بیان کر دینا متل صاحب کی وہ خصوصیت ہے جس میں کم نثر نگار ان کے شریک و سہیم نظر آتے ہیں۔

اب رہے نقائص یا قابل غور پہلو۔ تو سچی بات ہے کتاب کا موضوع کچھ ایسا ہے کہ ہم میں اس پر نقد و نظر کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ یہ فریضہ وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو اس موضوع سے طبعی مناسبت رکھتے ہوں۔ ہمیں دورانِ مطالعہ کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جسے بطور خامی شامل تبصرہ کریں۔ بس اتنا ضرور کہیں گے کہ قیمت زیادہ ہے۔ شاید مصنف کو اندیشہ ہے کہ کتاب جلد نہ بک سکے گی۔ اگر بکنے کے بارے میں وہ پُر امید ہوتے تو اتنی قیمت نہ رکھتے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میں گواہی دیتا ہوں

• مصنف:۔ اناتولی مارچینکو • مترجم:۔ جلیس عابدی۔
• شائع کردہ:۔ پی کے پبلیکیشنز، ۱۷۱۵۔ آریہ سماج روڈ۔ نئی دہلی ۵۔ • صفحات ۲۵۰۔ کاغذ سفید۔ لکھائی چھپائی کام چلاؤ۔ قیمت ۔۔۔ چار روپے۔

مارچینکو ایک روسی قلم کار ہیں جنھوں نے خالص گناہِ بے جرمی میں چھ سال سزا کاٹنے کے بعد یہ کتاب حوالۂ قلم کی تھی۔ پاپانِ کار پھر دھر لئے گئے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے زمانۂ قید کی تفصیلات دی ہیں۔ یہ تفصیلات "سوویت زندگی" کی اُس بھیانک اور لرزہ خیز تصویر کے چہرے سے نقاب ہٹاتی ہیں جو روسی سیاست و معاشرت کی پہنائیوں میں کسی روایتی دیو کے مہیب ہیولے کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔

میکس ہیورڈ کے الفاظ ہیں:۔

"مارچینکو ہمیں اس وسیع و عریض حقیقت سے روشناس کراتے ہیں جو زیر سطح ہے اور جسے کم ہی غیر ملکی دیکھ پاتے ہیں۔ بلکہ پڑھے لکھے روسیوں

کی نظر بھی اس پر نہیں پڑتی۔"
آغاز میں ایک مفصل "تعارف" موجود ہے۔ ہم اس کتاب کو آخری صفحے تک پڑھنے کا وقت تو نہ نکال سکے لیکن تقریباً تین چوتھائی یقیناً پڑھی ہے۔ دلچسپ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔ ادب وانشاء کے اعتبار سے بھی کم تر نہیں۔ مصنف کی قوتِ مشاہدہ تیز اور قوتِ بیان قابلِ رشک ہے۔ روس کی عقوبت گاہوں میں کیا ہوتا ہے۔ کیسے ہوتا ہے۔ کیوں ہوتا ہے۔ یہ سب اتنے سلیقے اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ واقعات کی ایک متحرک تصویر نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے۔
ترجمہ رواں اور شگفتہ ہے۔ اشتراکیت کی ظاہری "فتوحات" اور سطحی چمک دمک پر فدا ہونے والے حضرات اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ فرمائیں کہ اشتراکیت کے علمبرداروں نے انسانیت، انصاف، آزادی اور مسلّمہ اخلاقی اقدار کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔

یاد کی خوشبو

● مجموعۂ کلام جناب خورشید احمد جامی مرحوم۔
● مرتبہ:۔ محمود خاور ● شائع کردہ:۔ شالیمار پبلیکیشنز ۲۸۷ بی۔ ملک پیٹھ جدید۔ حیدرآباد ۳۶۔ طباعت و کتابت گوارا۔ کاغذ سفید ● صفحات ۲۰۰۔ مجلّد تین روپے

جامی مرحوم کے دو مجموعے "رخسارِ سحر" اور "برگِ آوارہ" چھپ چکے ہیں۔ اللہ ان کو غریقِ رحمت کرے ذی صلاحیت شاعر تھے۔ اصطلاحی الفاظ استعمال کئے جائیں تو وہ ترقی پسند شعراء کی اس صنف سے تعلق رکھتے تھے جو جدّت طرازی کے شوق میں ساتویں آسمان پر نہیں پہنچی بلکہ زمین ہی پر قیام پذیر رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ زمین پر بھی اس کی "قیام گاہ" اپنے خاص رنگ اور جداگانہ اسٹائل کی بنا پر دور ہی سے پہچان لی جاتی ہو۔
زیرِ تبصرہ مجموعے میں مرتب نے وہ اشعار جمع کر دیئے ہیں جنھیں کسی نہ کسی وجہ سے قبل کے ۲ دو مجموعوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ بعض چیزیں شاعر نے شاید نظرِ ثانی کے لئے ڈال رکھی ہوں اور بعض ناتمام پڑی ہوں۔ مرتب نے اسی "ورثے" کو اہلِ ذوق کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں اشعار کی بعض خامیاں زیادہ قابلِ توجہ نہیں رہتیں کیونکہ جامی زندہ رہتے تو ان کی اصلاح کرتے۔
چند اچھے شعر بطور ضیافتِ طبع حاضر ہیں۔

جیسے کسی نگاہ نے دی ہے یہ بددعا
جامی خود اپنی آگ میں تم عمر بھر جلو

یاد اپنی بھی آتی ہے تو یوں آتی ہے جیسے
صحرا میں سرِ شام بہت دور کا منظر

غزلوں پہ اسی حسن کی ہے چھاپ ابھی تک
کچھ روز خیالوں میں وہ مہمان رہے تھے

اک لفظِ تمنا ہی نہیں تھے کہ ہٹا دو
ہم رُوحِ صداقت بھی ہیں تم بھول گئے تھے

اونچے پہاڑ بھی ہیں طلسمی حصار بھی
لیکن رواں دواں ہیں صداؤں کے قافلے

گذر رہی ہیں ہزاروں قیامتیں ہم پر
یہیں کہیں کوئی روزِ حساب بھی رکھدو

ایک اک سانس پہ تیرا ہی کرم ہے ورنہ
کس سے یہ بارِ مہ و سال اٹھایا جائے

میری راتوں نے تراشے ہیں جو خوابوں کے بدن
ان پہ آخر کوئی چہرہ تو لگایا جائے

میں اُس ندی کے پار اُتر جاؤں گا مگر
آگے کوئی چراغ تو جلتا دکھائی دے

اب دوسرے رُخ پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ شروع میں ایک صفحہ پر معروف ترقی پسند شاعر جناب احمد ندیم قاسمی کا نو سطری پیش لفظ ہے۔ کیسے ممکن تھا کہ یہ چند سطریں بھی اُس انوکھے طرزِ کلام سے خالی رہتیں جو ترقی پسندی کا طرۂ امتیاز ہے۔ لکھتے ہیں:-

"خورشید احمد جامی کا کلام میں نے پڑھا ہے۔
وہ اس لحاظ سے جری شاعر تھے کہ روحِ عصر
سے انھیں خوف نہیں آتا تھا۔"

اب پڑھنے والا صبح سے شام تک سوچتا ہے کہ روحِ عصر سے خوف کا کیا مطلب ہے۔ خود ندیم صاحب اپنے اس فقرے کی وضاحت یوں کرتے ہیں ــــ "وہ حقائق سے بھاگتے نہیں تھے اور ان حقائق کی تاویلیں نہیں کرتے تھے ــــ" یہ وضاحت خود ایک مزید وضاحت کی طالب ہے۔

اگلے صفحے پر خود جامی صاحب کا ایک نثر پارہ دیا گیا ہے جس کا عنوان ہے:-

"میں شعر کس طرح کہتا ہوں"

ظاہر ہے یہ پہلے کبھی لکھا گیا ہوگا۔ اس میں انھوں نے کہا ہے:-

"میرا عہد تو ایک ایسا انقلاب آفریں عہد
ہے جس کی پھیلی ہوئی باہوں میں تاریخِ انسانی
کے صدیوں پرانے خواب اپنی تعبیروں کے چمکتے
ہوئے لب چوم رہے ہیں۔"

اگر جامی صاحب کی نظر میں ان کا عہد واقعی ایک تابناک اور مسرت بخش عہد تھا تو یہ کیا بات ہے کہ ان کے پیشِ نظر کلام میں اس کا سایہ تک نہیں ملتا بلکہ وہ اسی "عہدِ زرّیں" پر ماتم کناں ہی نظر آتے ہیں۔ مثلاً:-

ہر تجربہ عذاب ہے ہر آرزو فریب ✤ اے شامِ انتظار مرے خواب چھین لے

کون لے جائے مرے دَور کی مایوسی کو
تیرہ و تار سمندر کی حدوں سے اُس پار

جامی مری نظر میں زمانہ ہے اس طرح
پھولوں کو جیسے کوئی مسلتا دکھائی دے

ان نمونوں کے اشعار میں جن خیالات و جذبات کا اظہار ہے ان کی مناسبت سے تو انھیں اپنے دَور کو اس کالے ناگ سے تشبیہ دینی چاہیئے تھی جس نے ہر حسین خواب کی تعبیر کو ڈس لیا ہے۔

تیری پلکوں سے کوئی خواب اٹھا لیتا ہوں
اور لٹتی ہوئی راتوں کو سجا لیتا ہوں　صـ۱۷

"لٹتی ہوئی" کے بجائے "اُجڑی ہوئی" کا محل تھا۔ اگرچہ یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ جب محبوب سامنے موجود ہے تو راتیں لٹی یا اجڑی ہوئی کیسے ہوئیں۔ پلکوں سے خواب اٹھا لینے کے اگر واقعی کوئی معنی ہیں تو بہر حال یہ کام غائبانہ نہیں ہو سکتا۔

اپنے احساس کی جلتی ہوئی تنہائی کو
تیرا جھکا ہوا اقرار بنا لیتا ہوں　صـ۱۸

صفت اور موصوف کا "دوغلہ پن" ترقی پسند شعراء کا وہ امتیازی وصف ہے جس کا اب ذکر بھی غیر ضروری ہی ہوگا ــــ اوّل تو احساس کی تنہائی پھر وہ بھی جلتی ہوئی۔ مزید طرّہ اقرار کا جھکا ہوا ہونا۔

اک درد اُترتا ہے مرے دل کی گلی میں
اک چاند چمکتا ہے خیالوں کے افق پر　صـ۲۷

دل کی گلی بھی چلئے مان لیجئے مگر درد کا اُترنا کیا چیز ہے۔ درد کسی وحی و الہام یا جہاز اور ریلی کو پیڑ کی طرح اُوپر سے نہیں اُترتا اندر ہی اندر پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح مجھے دیکھ رہا ہے کوئی ــ جیسے
میں دَور کے جلتے ہوئے خوابوں کی تھکن ہوں

"دَور کے خواب" کیا بات ہوئی۔ پھر خوابوں کی

صفت" جلتے ہوئے" اور" خوابوں کی تھکن" شاید چیستاں کہلائے۔ ترقی پسند اسلوب کا یہ وصف بہت عام ہے کہ صفت و موصوف میں دورنگی ہو اور مضاف مضاف الیہ میں بیگانگی۔

غزلوں کے بعد چند نظمیں بھی ہیں۔ پہلی نظم" آہ نہرو" کے مصرعۂ اولیٰ کا حلیہ غالباً کاتب صاحب کے ہاتھوں بگڑ گیا ہے:۔

" وہ نہرو مر گیا جس نے سارے دیس کی جلتی امنگوں کو "
کوئی بھی بحر باقی نہیں رہی۔

دوسری نظم ہے" شاستری جی کی موت پر"۔ دونوں ہی نظموں پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ وہ ہماری عقل کی گرفت سے باہر ہیں۔ محض خانہ ساز خیالات اور خود تراشیدہ الفاظ کے ذریعے شخصیتوں کی حقیقی قد و قامت میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ خدا ہی جانے یہ نظمیں کونسی عجیب و غریب عینک کا حاصل مشاہدہ ہیں۔

بقیہ چند نظمیں اچھی ہیں۔ گو کہ قابلِ نظر اشعار ان میں بھی ہیں۔ جیسے:۔

" کون جلتے ہوئے گیتوں کا مسیحا ہوگا "
گیت نہ جلتے ہیں نہ ٹھٹھرتے ہیں۔ پھر" مسیحا" کا یہاں کیا محل تھا۔

" آرزوؤں کے سجائے ہوئے بازاروں میں
کن نگاہوں کا دل آویز سویرا ہوگا " ص ۶۳

الفاظ خوبصورت مگر مفہوم اُلجھا ہوا۔

مجموعی طور پر یہ مختصر مجموعۂ کلام ایسا ضرور ہے کہ دلچسپی سے پڑھ لیا جائے۔

●

غزل

قمر عثمانی

اشکوں سے سنوارا ہے زخموں سے سجایا ہے
اب جا کے یہ دل اپنا کچھ رنگ پہ آیا ہے

اب مجھ کو زمانے نے کچھ دادِ وفا دی ہے
پہلے تو ہر اک غم کو سینے سے لگایا ہے

ظالم بدہن تم کو کہدے نہ کوئی ظالم
جو زخم دیا تم نے دنیا سے چھپایا ہے

پھولوں کی روش آئی یا دار کا ہنگامہ
پیمانِ وفا ہم نے ہر طور نبھایا ہے

راہوں کی صعوبت سے دل خون ہے راہی کا
لیکن درِ جاناں تک امید کا سایا ہے

دھندلی سی توقع پر موہوم امیدوں پر
مت پوچھ تمنا نے کیا جشن منایا ہے

معراج طلب سمجھوں یا شانِ کرم کہدوں
میں خود نہ رہا اپنا جب آپ کو پایا ہے

دنیا نے قمر اس کو اپنا ہی بیاں سمجھا
میں نے تو غمِ دل کا افسانہ سنایا ہے

